ماہنامہ

مِلّیَّۃ

فیصل آباد
پاکستان

ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر، نومبر 2012ء

www.milliafsd.com

کلمة الحبيب

صحنِ حرم میں

قطب الاقطاب حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب قدس سرّہٗ

گورے آئے ہیں، کالے آئے ہیں
سب یہاں بخت والے آئے ہیں

صُبحِ صادِق کی طرح سے اوڑھے
نُوری نُوری دوشالے آئے ہیں

یہ کفن پوش، پیکرِ تسلیم
گردنیں اپنی ڈالے آئے ہیں

اپنا سب کچُھ نِثار کرنے کو
مُصطفےٰ ﷺ کے جیالے آئے ہیں

چھاؤنی بن گیا ہے صحنِ حرم
عاشقوں کے رسالے آئے ہیں

اپنے اپنے گھروں سے دیوانے
بے خُودی کے نِکالے آئے ہیں

درِ جاناں پہ پھوڑنے کے لیے
دِل جلے لے کے چھالے آئے ہیں

اللہ اللہ! جمالِ محملِ دوست
تِیرگی میں اُجالے آئے ہیں

مالک الملک! اے رحیم و کریم
تیری شفقت کے پالے آئے ہیں

چشمِ نادِم برس رہی ہے نفیسؔ
خشک ہونٹوں پہ نالے آئے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر اسلامی مہینے کے شروع میں شائع ہوتا ہے۔

جلد نمبر 8 ذوالحج ۱۴۳۳ھ
بمطابق
شمارہ نمبر 12 اکتوبر، نومبر 2012ء

بیاد
حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانوی
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

بفیض

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ و سرپرست
ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

نائب مدیر

مدیر

فی شمارہ 25 روپے پاکستان میں سالانہ 300 روپے
سالانہ بدل اشتراک بیرون ملک 45 امریکی ڈالر

رابطہ کے لیے
ماہنامہ ملّیّہ جامعہ ملّیّہ اسلامیہ
محلہ خالصہ کالج P.O مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد
041-8711569
0321-6611910

ناشر...... حبیب الرحمٰن لدھیانوی مطبع: ظفر اینڈ فضل پرنٹنگ پریس فیصل آباد
Decl No. 3483-85

کلمة الحبیب

عشق کی مار

ابن انیس حبیب الرحمٰن لدھیانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

دنیا میں اسلام سے پہلے جتنے بھی مذاہب ہیں ان کی بقا کا دارومدار اسلام کی تردید ہی میں ہے، جب تک وہ تردید کرتے رہیں گے قائم رہیں گے۔ جبکہ اسلام کی بقا کا دارومدار اس سے پہلے آنے والے آسمانی مذاہب کی تصدیق میں ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے پہلے کسی بھی آسمانی مذہب کی نہ تو تردید کی ہے اور نہ ہی توہین۔ اسی لئے مسلمان کے لئے پہلی تمام آسمانی کتابوں اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے، اور جو بھی مسلمان کسی ایک بھی نبی کا انکار کریگا وہ دائرہ اسلام میں داخل نہ ہوگا۔ اسی طرح کسی بھی نبی میں فرق نہیں کرے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ کہ ہم رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے۔ چنانچہ آج تک یہی سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ کفر ہمیشہ اس بات پر سیخ پا رہا ہے کہ اُس کی مخالفت کے باوجود اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے، جن ملکوں میں مسلمان اقلیت میں تھے آج وہاں پر اکثریت میں تبدیل ہوتے نظر آ رہے ہیں۔ اس لئے امریکہ میں گستاخانہ فلم کا بن جانا کوئی نئی بات نہ تھی، یہ ان غیر مسلم قوموں کی ڈیوٹی ہے، ان کی بقا ہی اسی میں ہے، مگر اس کی وجہ سے پورے عالم کا غیر محفوظ ہو جانا خطرے سے خالی نہیں۔ مسلسل کئی سال سے مسلمانوں کا زیر عتاب رہنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ انسانی حقوق کی آڑ میں رسالت مآب ﷺ کی توہین کرنا تو قابل نفرت یا جرم نہیں مگر یہودیوں کے ہولوکاسٹ کی نفی کرنا قابل تعزیر ہے۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ہمارے ملک کے نام نہاد مسلمان دانشور اس معاملے کو ذاتی حیثیت کے عمل سے آگے نہیں جانے دیتے، اور کہتے ہیں کہ وہ تو پہلے ہی سے جرائم پیشہ ہے، یا وہ لوگ چونکہ نبی کی عظمت کو نہیں سمجھتے اس لئے ہمیں ان کے اس جیسے عمل کی اُچھالنا نہیں چاہئے۔

منصوبہ بنانے والے بڑے سمجھدار تھے،انہوں نے مسلمانوں کی دُکھتی رَگ پر ہاتھ رکھا اور''یومِ عشقِ رسول'' منانے کا اعلان کردیا۔دانا دشمن ہمیشہ اپنے مخالف کو اسی سے مار دیتا ہے جس پر وہ جان چھڑکتا ہے۔منصوبہ سازوں نے دیکھا کہ مسلمان اللہ کے آخری نبی محمد عربی سے جان سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، یہ مسلمان اگرچہ عمل کے اعتبار سے بالکل گئے گذرے ہیں مگر ذات محمد سے عشق میں جاں سے بھی گزر جانے کی پراوہ نہیں کرتے۔لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو عشق کی مار دینے کا فیصلہ کرلیا اور اس کا اعلان بھی کردیا۔دنیا جانتی ہے کہ عشق میں دیوانگی اور فرزانگی کے ساتھ ساتھ رسوائیاں بھی ہوتی ہیں اور عاشق ان رسوائیوں کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔دنیا کی عاشقی میں عاشق کی دیوانگی معشوق کے لئے دردِ سر بن جاتی ہے،اور معشوق کی بدنامی کا باعث بن جاتی ہے،وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔مگر جس کا معشوق نبیٔ آخرالزمان ہوں وہ اس راہِ کیف و مستی میں ترقی کرتا جاتا ہے،یہاں تک کہ وہ دنیا و آخرت میں سُرخ رُو ہو جاتا ہے۔مگر ہمارے دانا منصوبہ سازوں نے مسلمانوں کے اس جذبۂ عشق کو مسلمانوں کے خلاف ہی استعمال کیا،دوسرے لفظوں میں ''عشق کی مار'' دینے کا پروگرام بنایا جس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہے۔دنیا کے کسی بھی مسلم ملک نے باقاعدہ حکومتی سطح پر یوم عشق منانے کا اعلان نہیں کیا تھا،اگر ہماری حکومت نے کردیا تھا تو یہ ایک اچھا اقدام تھا جس کی جتنی بھی تعریف کی جانی چاہیئے وہ کم تھی مگر جس انداز میں اس یوم کو منایا گیا وہ شرم سے پیشانی عرق آلود کردینے کے لئے کافی ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اعلان سے پہلے پاکستان کی تمام مذہبی اور سیاسی قیادت کو ایک جگہ جمع کرکے اس سے مشورہ کرکے اعلان کیا جاتا اور اسکے ساتھ ساتھ تمام مذہبی اور سیاسی قیادت کو اس بات کا پابند کیا جاتا کہ وہ اپنے اپنے جلوسوں کی قیادت خود کریں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی نگرانی بھی انہی کے ذمہ ہوتی،تاکہ کسی بھی شخص کو گڑبڑ کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔نیز یہ کہ کسی بھی مذہبی یا سیاسی جماعت کا کوئی جھنڈا نہ ہوگا کیونکہ یہ ایک مشترکہ محاذ ہے۔مگر حکومت کا منصوبہ کچھ اور تھا کہ ان عاشقوں کو عشق کی مار دی جائے۔

جب سے یوٹیوب پر گستاخانہ فلم کے ٹوٹے چلائے گئے ہیں اس وقت سے ہی مسلمانانِ عالم میں اضطراب پیدا ہونا شروع ہوگیا تھا۔ہمارے حکمرانوں کے کان اس وقت کھڑے ہوئے جب لیبیا میں

امریکی قونصلر کے ساتھ اس کے دو ساتھیوں کو قتل کر دیا گیا، اور پھر اس کے بعد کراچی میں شیعہ مکتب فکر کی نمائندہ جماعت ''وحدۃ المسلمین'' نے امریکی قونصل خانے سے امریکی پرچم اتار کر ''لبیک یا حسین'' کا پرچم لہرا دیا۔جبکہ پاکستان کے کئی حصوں میں مظاہرے ہوتے رہے مگر کہیں بھی اس قسم کا پُر تشدد مظاہرہ نہیں ہوا۔مگر جس دن حکومت نے ''یوم عشق رسول'' منانے کا اعلان کیا اس کے دوسرے دن ہی اسلام آباد میں پُر تشدد مظاہرہ ہوا۔اور پھر اس کے بعد ''یوم عشق رسول'' پر پشاور، کراچی، لاہور میں پر تشدد مظاہرے ہوئے۔جس میں کئی سینما گھر، کئی عماتیں، درجنوں گاڑیاں جلا دی گئیں، اور تیس افراد لقمۂ اجل بنا دیئے گئے۔

بس پھر اس کے بعد کیا تھا، میڈیا کے ہاتھ میں ہتھیار آ گیا، بالکل اُسی طرح جس طرح نائن الیون کے دن ٹاور گرانے پر امریکی اور یورپی میڈیا نے ایک دم مجرم کی شناخت کر کے واویلا مچانا شروع کر دیا تھا۔پاکستان کے تمام میڈیا کو یوعشق رسول پر امریکی سفارت خانے سے بڑی رقم موصول ہوئی تھی، جس کا اظہار میڈیا پر بھی اباما اور ہیلری کلنٹن کے مثبت پیغامات چلانے سے ہو رہا تھا۔اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوتا تھا کہ اس پیغام کو چلانے کے لئے باقاعدہ میڈیا کو رقم دی گئی ہے۔اس کی تصدیق بھی دوسرے دن اخبارات میں آ گئی کہ اس کام کے لئے امریکی ایمبیسی نے 70 ہزار ڈالر میڈیا کو دیئے تھے۔اس کی وضاحت نہیں آئی کہ 70 ہزار ڈالر تمام چینلوں کو دیئے تھے یا 70 ہزار ڈالر فی چینل عطا ہوئے تھے۔مگر میڈیا نے ان ڈالروں کو حلال کرنے کا حق ادا کر دیا۔میڈیا سارا دن وہی حصے دکھاتا رہا جہاں پر گھیراؤ جلاؤ ہو رہا تھا، اور یہ گھیراؤ جلاؤ کرنے والے سینکڑوں کی تعداد میں بھی نہ تھے۔مگر جہاں پر لاکھوں کی تعداد میں عاشقان رسول پر امن طریقہ سے آواز حق بلند کر رہے تھے وہاں پر میڈیا کی طرف سے ایک طائرانہ جھلک بھی نہیں دکھائی گئی۔دنیا کے سامنے یہی ظاہر کیا جاتا رہا کہ پاکستان جو کہ بارود کے ڈھیر پر تھا اس کی آگ دکھا دی گئی ہے نہ جانے اب کیا ہوگا۔

اس عمل سے ہماری عاشق رسول حکومت نے کئی فوائد حاصل کیے۔سب سے پہلا یہ کہ جن لوگوں کی اولادیں اور جائیدادیں غیر مسلم ملکوں میں بطور رہن رکھی گئی ہیں وہ محفوظ رہیں۔دوسرے ہمارے صدر صاحب نے چونکہ اقوام متحدہ کے سالانہ اجلاس میں خطاب کرنا تھا، اس لئے ضروری تھا کہ اس ملک میں ایسے حالات پیدا کئے جائیں تا کہ وہاں کہا جائے کہ میری قوم میری پشت پر کھڑی ہے، میری قوم کا

مطالبہ ہے کہ توہین رسالت کا ارتکاب کرنے والے کے لئے عالمی سطح پر قانون بنایا جائے۔تیسرے یہ کہ ہماری قوم میں دہشت گردی عروج پر ہے لہٰذا ہم پر پابندیاں لگانے کی بجائے ہماری مالی مدد میں اضافہ کیا جائے۔چوتھے یہ کہ عالمی میڈیا کو اس طرف متوجہ کردیا کہ تاکہ وہ بھی عالمی سطح پر ان لوگوں کی مذمت کرے جو لوگ تھوڑی سی بات پر جلسے جلوس نکالنے شروع کردیتے ہیں۔پانچویں یہ کہ اس ہنگامے کے بعد ہمارا ملکی میڈیا کا بھی رُخ یوم عشق رسول کی حمایت کرنے کی بجائے اس دن کے فسادات کا بہانہ کرکے مذمت کرنے پر لگ گیا،اور چینلوں پر توہین رسالت کے خلاف جلوس نکالنے والوں کو دہشت گرد قرار دینے لگا،جس میں ہمارے بہت ہی زیادہ باخبر وزیر داخلہ نے کالعدم قرادی گئی تنظیموں کا کُھل کر نام لیا۔اور جس مکتبہ ٔ فکر کے لوگوں نے سب سے پہلے کراچی میں امریکی قونصل خانے پر حملہ کیا اور اُس سے امریکی پرچم اُتار کر اس پر لبیک یا حسین کا پرچم لہرا کر اس تشدد کی ابتدا کی تھی اس کا نام گول کر گئے۔نیز ان کو ڈر یہ تھا کہ کہیں یہی لاوا اُبل پڑنے کے بعد کوئی انقلابی تحریک نہ شروع ہوجائے اور ان کو حکومت سے ہاتھ دھونا پڑ جائے،چنانچہ ہمارے وزیر داخلہ نے اُسی دن بیان دیدیا کہ یہ حکومت کو اُلٹنا چاہتے تھے،تاکہ عوام کالانعام میں جذبہ ٔ حبّ رسول کی بجائے دہشت گردی کا خوف سما جائے۔

حضرت مولانا سعید احمد رائپوری رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

خانقاہ رائے پور سے ہمارا گہرا تعلق ہے،اسی لئے اگر اس خانقاہ سے منسوب کوئی بچھڑ جائے تو ہمیں بہت دلی صدمہ ہوتا ہے۔یوں تو قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے دو خلفاء حضرت مولانا افتخار الحسن مدظلہ کاندھلوی مدظلہ،اور حضرت مولانا محمد مکرم مدظلہ سنسار پوری مدظلہ انڈیا میں اپنا حلقہ ٔ ارادت میں موجود ہیں،جبکہ پاکستان میں حضرت حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ رائے ونڈ میں بقید حیات ہیں حاجی صاحب بیعت نہیں فرماتے۔مگر رائے پور کے خانوادے کے چشم و چراغ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے انتقال کی خبر سن کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خانقاہ رائے پور کا آخری چراغ گُل ہوگیا ہو۔وہ گزشتہ ماہ لاہور میں انتقال فرماگئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔مرحوم حضرت اقدس رائے پوریؒ کے خلیفہ ٔ اجل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ ثم سرگودھوی کے فرزند اکبر تھے،اور حضرت اقدس رائے پوریؒ نے خود ان کو بھی خلافت دے رکھی تھی۔

حضرت مولانا سعید احمدؒ ایک ذات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک تحریک تھے، جوزیر زمین سما گئی۔حضرت مولاناؒ کے انتقال سے میرے سامنے ان کا وہ تمام سراپا گھوم گیا جو تقریباً پچاس برس سے دیکھتا چلا آ رہا تھا۔
حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ جانشین تھے بڑے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے۔اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ خلیفۂ اجل تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے۔اور حضرت شاہ عبدالرحیمؒ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کے فکری امین بھی تھے۔مرزا قادیانی پر اوّل مکفر حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ کے شاگرد بھی تھے۔رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ''میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی گود میں کھیلتا رہا ہوں''۔یہی وجہ ہے کہ سن شعور میں رئیس الاحرارؒ نے اپنی بیعت کا سلسلہ بھی انہی سے جوڑا۔پھر بعد میں ان کے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے منسلک ہوگئے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ رئیس الاحرارؒ کی اولاد پر بھی شفقت فرمایا کرتے تھے،خصوصاً راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ سے ان کا گہرا تعلق تھا۔
اسی لئے حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ ہمارے ہاں اکثر تشریف لاتے تھے،انہوں نے دو رمضان ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۹ء بھی ہمارے ہاں مدرسہ والی مسجد مدرسہ تجوید القرآن موجودہ جامعہ ملیہ اسلامیہ محلّہ خالصہ کالج میں گذارے۔حضرت اقدسؒ کو راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ سے خاص اُنس تھا۔یہی وجہ ہے کہ کئی دفعہ حضرت اقدس نے فرمایا تھا کہ اگر پاکستان میں میرا انتقال ہوجائے تو مجھے یہیں اسی مدرسہ میں دفن کر دینا۔مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سوانح حضرت رائے پوریؒ میں لکھتے ہیں

> ''اخیر میں خالصہ کالج میں قیام رہنے لگا، جہاں کی وسیع مسجد میں مولانا انیس الرحمٰن صاحب (لدھیانوی) نے تعلیم قرآن کا مدرسہ قائم کیا ہے،اور مسجد سے متصل حجرے بنائے ہیں، یہاں حضرتؒ کو بڑا اُنس اور انبساط رہتا،اور کئی مہینے قیام فرماتے،مہمانوں کی تعداد بھی بہت بڑھ جاتی۔۱۳۷۵ھ و ۱۳۷۸ھ (۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۹ء) کا رمضان بھی وہیں گزرا۔بڑی رونق اور بڑا مجمع تھا،حضرت نے ایک دوبار ایسے اشارے بھی فرمائے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ حضرت یہاں دفن ہونا بھی پسند فرماتے ہیں۔ایک بار فرمایا کہ

میرا انتقال ہو جائے تو جہاں بچے قرآن شریف پڑھتے ہیں، وہیں دفن کر دینا، قرآن سنتا رہوں گا'' (سوانح حضرت رائے پوریؒ صفحہ ۱۹۷۔۱۹۶)

قسمت کی بات کہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی ہمارے ہاں تدفین نہ ہو سکی مگر راقم کے والدؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اقدسؒ تو یہاں دفن نہ ہو سکے مجھے ہی یہاں دفن کر دینا میں حضرت کی خواہش کے مطابق بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوازیں سنتا رہوں گا، چنانچہ انہیں وہیں دفن کر دیا گیا، اور آج وہ مدرسہ کے بچوں کے قرآن پڑھنے کی آوزیں سن رہے ہیں۔

ہمارے ہاں حضرت اقدسؒ کی تشریف آوری پر ایک سماں بندھ جاتا تھا۔ پورے برصغیر (پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش) سے علماء، صلحاء، فقہاء، صوفیاء، ادیب، خطیب اور اہل دل کھنچے چلے آتے تھے۔ اور ہمارے ہاں حضرتؒ کے ساتھ وقت گزارنا دنیا و آخرت کا انعام سمجھتے تھے۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ کا جب انتقال ہوا تو ان کی میت کو ڈھڈیاں لے جایا گیا، راستہ میں لائل پور (فیصل آباد) میں ہمارے ہاں جناز ہوا جو کہ والد صاحبؒ نے پڑھایا۔ پھر سرگودھا میں حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ نے پڑھایا، پھر حضرت کا آخری جنازہ ڈھڈیاں جو کہ حضرت اقدس کا پیدائشی گاؤں تھا وہاں پڑھایا گیا، چونکہ ابھی تک تدفین کا باقاعدہ فیصلہ نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت اقدسؒ کو اماناً وہیں دفن کر دیا گیا۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ بھی اُسی طرح ہمارے ہاں جلوہ افروز ہوتے جس طرح بڑے حضرت اقدس رائے پوریؒ۔ انہوں نے بھی تین رمضان ہمارے ہاں گزارے۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ کی بزرگی کی قدر حضرت اقدس رائے پوری کیساتھ راقم کے والدؒ کے ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔ راقم کے والدؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میرے دل میں سمایا کہ میں حضرت اقدس رائے پوریؒ کی وہ چادر حاصل کرلوں جو کہ وہ خود اوڑھتے ہیں، چنانچہ ایک دفعہ میں نے حضرت اقدسؒ سے اس بارے میں عرض کی، حضرت نے جواب نہیں دیا میں نے بچوں کی طرح ضد کی تو حضرت نے فرمایا ''ارے انیس میری چادر لے کر تو کیا کرے گا اس میں تو گناہ ہی گناہ ہیں، مولانا عبدالعزیز کی چادر لے لے اس میں روزانہ ایک قرآن ختم ہوتا ہے''

حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کی خواہش تھی کہ حضرت اقدس کی میت کو رائے پور لے جایا جائے

،جبکہ دوسرے حضرات نے کہا کہ بس اب جہاں دفن کر دیا گیا یہیں رہنے دیا جائے۔حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کی ہمارے ہاں آمد پر اُسی طرح مجمع ہوتا جس طرح حضرت اقدس رائے پوریؒ کی آمد پر ہوتا تھا۔وہی علمی مجلسیں، وہی شاعری۔ایک طرف علمی اشکالات کا حل بیان کیا جاتا تو دوسری طرف حضرت مولانا عبدالمنان دہلوی اور راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کی فی البدیہ شاعری رنگ بکھیرتی نظر آتی۔اس مجمع میں حضرت اقدس رائے پوریؒ کی میت کو رائے پور ہندوستان منتقل کرنے یا نہ کرنے پر بحث بھی ہوتی۔مگر والد صاحبؒ سب کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے کسی کا ساتھ دینے سے انکار فرما دیتے۔ان دنوں بڑے بڑے علماء مفتیان کرام کے فتوے شائع ہوئے،مگر والد صاحبؒ نے کسی کے فتوے پر دستخط نہیں فرمائے۔بلک وہ اپنی ایک طویل نظم کا ایک شعر سنا دیا کرتے تھے

میں ہوں ایک وہ فردِ منفرد نہ شمار میں نہ قطار میں
نہ ہوں مفتیان عظام میں نہ ہوں شاعرانِ کرام سے

اس کے ساتھ ہی والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ انتقال کے دنوں میں حضرت اقدس لاہور میں حاجی عبدالمتین صاحب کی کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے تھے،حضرت اقدسؒ نے ایک دن مجھے اپنے کمرے میں بلا یا،اس وقت وہاں پر چند معتبر شخصیات موجود تھیں جن کا وہ نام بھی لیا کرتے تھے،فرمایا کرتے تھے کہ وہ سب کے سب حاجی تھے صرف میں ہی اکیلا نمازی تھا۔حضرت اقدسؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میری زندگی کا کوئی پتہ نہیں تو مجھے لائل پور لے جا (اس وقت فیصل آباد کا نام لائل پور تھا) مجھے وہیں دفن کر دینا،میں نے عرض کی کہ حضرت! یہ سب حضرات سن رہے ہیں،اس پر حضرت نے فرمایا کہ مرنے کے بعد یہ لوگ تجھے لے جانے نہیں دیں گے۔انہی معتبر حضرات میں سے ایک صاحب نے عرض کی کہ حضرت وہ جو بڑے حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) نے فرمایا تھا کہ میرے پاس رائے پور میں دفن ہونا ،تو حضرت اقدس نے غصہ میں فرمایا کہ اس کا مطلب تم سمجھتے ہو یا میں سمجھتا ہوں؟۔پھر مجھے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بعد میں پچھتائے گا۔بعد میں وہی ہوا جو حضرت اقدسؒ نے فرمایا تھا۔حضرتؒ کا انتقال ہو گیا تو سب معتبر حاجی حضرات میں سے کسی نے بھی لائل پور کا نام نہیں لیا، بحث اس پر تھی حضرت اقدس کو ڈھڈیاں دفن کیا جائے یا رائے پور لے جایا جائے۔فرمایا کرتے تھے کہ مجھ پر بڑا دباؤ تھا کہ میں کیا

کروں کیونکہ دونوں گروہوں کی طرف سے میری حمایت لینے کی کوشش ہو رہی تھی، کہ ایک دن مجھے خواب میں حضرت اقدس رائے پوریؒ کی زیارت ہوئی، میں دیکھتا ہوں کہ حضرت چارپائی پر لیٹے ہیں اور میں پاؤں دبا رہا ہوں، میں نے موقعہ غنیمت جان کر عرض کی کہ حضرت وہ قبر کا مسئلہ؟ تو حضرت اقدسؒ نے بڑے لاڈ سے فرمایا کہ تجھے کیا؟ جب میں نے کہا تھا تو تُو نہیں مانا، اب خاموش رہ‘‘ والد صاحب فرماتے تھے کہ اس کے بعد میں نے اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرلی‘‘۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ کی نمازوں کی امامت حضرت مولانا مسعود علی آزادؒ کراتے تھے اور بعد نماز عصر حضرتؒ کی مجلس میں وہ کوئی نہ کوئی کتاب پڑھ کر سنایا کرتے تھے، حضرتؒ کی مجلس میں اکثر فتوح الشام پڑھی جاتی تھی۔ جبکہ جمعہ کا خطبہ اکثر راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ یا والد صاحب کے فرمانے پر حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ دیتے۔ حالانکہ اس وقت بڑے بڑے علماء تشریف لائے ہوتے۔ جہاں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ، مولانا مسعود علی آزادؒ اور خود مولانا سعید احمدؒ کے والد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ جیسی شخصیات موجود ہوتیں پھر مولانا سعید احمد کو ممبرِ رسول پر کھڑا کر دینا بزرگوں کی طرف سے اعزاز کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

حضرت اقدس رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد جن دنوں حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ تشریف لاتے تو ہزاروں کے مجمع میں چند شخصیات ممتاز نظر آتیں۔ ان میں حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ اور حضرت مولانا عبدالمنان دہلویؒ کے فرزند مولانا فضل الرحمٰن دہلویؒ شامل ہیں۔ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن مولانا فضل الرحمٰنؒ سناتے، اور جمعۃ المبارک کا خطبہ بعض اوقات مولانا سعید احمد رائے پوریؒ دیتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جمعہ کے دن راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ مجھے فرماتے کہ مولوی سعید صاحب سے جا کر کہو کہ وہ جمعہ پڑھائیں۔ میرا کام یہی ہوتا تھا کہ ان تک پیغام پہنچاؤں۔

حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ خانقاہی نظام کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی عمل دخل رکھتے تھے۔ ان کا سیاسی نقطۂ نظر امام انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے ملتا تھا، اور حضرت شاہ ولی اللہ کے طرز فکر کو اپنائے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے نقطۂ نظر میں بڑی شدت تھی، وہ

ہندوستان سے ہجرت کر کے ایک بڑا عرصہ روس میں گزار کر آئے تھے۔انہوں نے روسی انقلاب کو قریب سے دیکھا تھا،اور اُسی کو وہ زیادہ مبنی بر حقیقت سمجھتے تھے۔وہ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس آئے تو ان کا آزادی پسند لوگوں نے بھر پور استقبال کیا،جس میں مجلس احرار پیش پیش تھی۔رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے بطور صدر کے باقاعدہ ان کے استقبال کے لئے ایک سرکلر جاری فرمایا تھا۔جس کی اتباع میں کراچی سے لے کر دہلی تک ہر بڑے ریلوے اسٹیشن پر احراریوں نے ان کا بھر پور استقبال کیا۔حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے تجربہ کی بنیاد پر یہ اندازہ لگالیا تھا کہ انگریز سے براہ راست ٹکر لینا مشکل ہے،بہتر طریقہ یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے انتظامی عہدوں پر اپنے لوگوں کو فائز کیا جائے۔انگریز سے براہ راست ٹکر لینے والے علماء تھے یا ان کے ماننے والے متشرع لوگ تھے۔راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس دوران ایک دفعہ دارالعلوم دیو بند میں علماء سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمادیا ”علماء کو چاہیے کہ وہ انگریز کے حکومتی عہدوں پر کسی نہ کسی طرح سے قبضہ کرلیں،انگریز مولویانہ صورت میں علماء کو کبھی قبول نہ کرے گا،اس کام کے لئے اگر علماء کو داڑھی بھی منڈوانی پڑے اور کوٹ پتلون پہننا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہ کریں“مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے اس بیان پر ہندوستان کے علماء میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔چنانچہ اس کے رَدّ میں حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ایک کتاب لکھ ڈالی۔اس لئے اکابر نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو منظر عام سے ہٹا دیا۔رئیس الاحرارؒ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ایک سرکلر جاری کیا کہ مولانا عبیداللہ سندھی کو ابھی ہندوستان کے سیاسی حالات سے پوری طرح واقفیت نہیں اس لئے ان کے اس بیان کو سنجیدگی سے نہ لیا جائے،اور ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے۔

حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کا نقطۂ نظر مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے مستعار تھا،فرق صرف یہ تھا کہ علماء کو اس کام میں نہ لگایا جائے۔وہ فرماتے تھے کہ قانون اسمبلی میں بنتا ہے مگر اس پر عمل کرانے والے پولیس افسر،جج،یا انتظامی عہدوں پر فائز جو لوگ ہوتے ہیں وہ بددیانت ہوتے ہیں،ضروری یہ ہے کہ ان عہدوں پر دیانت دار لوگ براجمان ہوں۔ان عہدوں پر مولوی کو تو یہ قوم قبول کرنے پر تیار نہیں،اس لئے ان میں کوئی مولوی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان عہدوں پر مولوی کو لگایا جاتا ہے۔ان عہدوں پر کالج کا

پڑھا لکھا طبقہ ہی براجمان ہوتا ہے، لہذا کالج اور یونیورسٹیوں کے طلبا پر محنت کر کے آگے بھیجا جائے ۔کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا اکثر داڑھی وغیرہ سے بے نیاز ہوتے ہیں۔اسی لئے انہوں نے دینی مدارس سے ہٹ کر کالجوں، یونیورسٹیوں میں جمعیۃ طلباء اسلام کے نام سے ایک جماعت بنائی۔اس سے پہلے اسلامی جمعیۃ طلباء کے نام سے بھی ایک تنظیم کام کررہی تھی۔جس کی سرپرستی جماعت اسلامی کیا کرتی تھی اور اب بھی کررہی ہے۔۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۵ء تک جمعیۃ طلباء اسلام نے مولانا مرحوم کی سرپرستی میں جس تیزی کے ساتھ کالجوں اور یونیورسٹیوں پر الیکشن میں کامیابی سے قبضہ کرنا شروع کیا اس کی مثال دینا مشکل ہے۔بڑی بڑی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جمعیۃ طلباء اسلام کے پینل جیت گئے۔ان میں نامور طلباء لیڈر کے طور پر اُبھرے۔جن میں اسلوب قریشی، مطلوب زیدی، جاوید ابراہیم پراچہ، میاں محمد عارف، متین چوہدری، حافظ محمد طاہر، رانا محمد اشفاق وغیرہ شامل ہیں۔

یہ سب کچھ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کی محنت اور حکمت علمی کا نتیجہ تھا۔مولانا سعید احمدؒ نے جس شاندار طریقہ سے یہ کامیابی حاصل کی تھی اس میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ پوری جمعیۃ طلبہ ان ہی کے کنٹرول میں تھی، جماعت کے حضرات صرف سرپرستی کرتے تھے، مداخلت نہیں۔انہی دنوں ایک کام ایسا ہوا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ دینی مدارس میں بھی قائم کیا جانے لگا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں جماعت اسلامی نے دینی مدارس میں ''جمعیۃ طلبہ عربیہ'' کے نام سے ایک جماعت متعارف کرانا شروع کردی۔دینی مدارس کے طلبہ دھڑا دھڑ اس کی فارم رکنیت پُر کرنے لگے۔میں ان دنوں لاہور میں ہوتا تھا۔

انہی دنوں حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ لاہور میں سلطان فونڈری والوں کے ہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔میں بھی وہاں حاضر ہوا، حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ مجھ سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔مجھے دیکھتے ہی اپنے پاس بلالیا کرتے تھے۔خصوصاً شام کو کھانے کے بغیر نہیں آنے دیا کرتے تھے۔اور مخصوص انداز میں فرماتے ''مولوی حبیب الرحمٰن کچھ کھا اور پی پا کر جایا کرو''۔یہیں پر مولانا سعید احمد سے میری ملاقات ہوئی۔میں نے ان کو دینی مدارس کے اس خطرے سے آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم دینی مدارس میں بھی کام کررہے ہیں، میں نے تلخی سے کہا خاک کررہے ہیں، جماعت اسلامی والے جمعیۃ طلبہ عربیہ کے نام پر بڑی تیزی کے ساتھ فارم رکنیت پُر کرارہے ہیں۔آج ہی

جامعہ مدنیہ میں نصف سے زائد طلباء نے فارم رکنیت پُر کئے ہیں، اور ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے اپنے اکابر کی عقیدت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ شاید اسی طرح ہماری نئی نسل ہمارے قابو میں رہے گی۔اس طرح تو دینی مدارس کی یہ پود ہاتھوں سے نکل جائے گی۔میری اس بات پر وہ فکر مند ہو گئے۔پھر فرمانے لگے کہ ہمارے لئے مصیبت یہ ہے کہ دینی مدارس کے مہتممین اور منتظمین یہ سمجھتے ہیں کہ جمعیۃ طلبہ بننے سے طلبہ پر ان کی گرفت کمزر پڑ جائے گی۔

میں نے ان سے عرض کی کہ آپ ان حضرات کو تسلی دلائیں اور ساتھ فرمائیں کہ اگر اسی طرح ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو دوسرے مسلک کی جماعتیں (ہماری اس محنت کو جو ہم اپنے مدارس میں کر رہے ہیں) لے اُڑیں گی۔پھر تیزی سے اس پر کام شروع ہو گیا۔جمعیۃ طلبہ عربیہ کا فارم رکنیت پُر کرتے ہوئے یہ نہیں بتایا جاتا تھا کہ یہ کس سیاسی جماعت کی ذیلی تنظیم ہے۔ہم نے یہ کام کیا کہ سب سے پہلے لاہور کے تمام مدارس میں کہلا بھیجا کہ ”جمعیۃ طلبہ عربیہ“ ہماری جماعت نہیں۔پھر اس کے بعد دینی مدارس میں بھی بھرپور طریقہ سے کام شروع ہو گیا۔

ان دنوں متحدہ جمہوری محاذ (یو، ڈی، ایف) نیا نیا وجود میں آیا تھا، جس میں پہلی دفعہ جماعت اسلامی اور جمعیۃ علماء اسلام ایک اتحاد میں اکٹھی ہوئی تھیں۔اس پر حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ نے اختلاف کی بنیاد پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے جتنے بھی جلسے ہوتے ان میں حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے بعد دوسرے نمبر پر حضرت مولانا سعید احمدؒ ہی نظر آتے۔اس دوران مولانا سعید احمدؒ کی جمعیۃ علماء اسلام پر بھی گرفت مضبوط ہو رہی تھی۔

یہاں تک کہ یہ بھی سنا اور کہا جانے لگا کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی جگہ انہیں جمعیۃ علماء اسلام کا جنرل سیکر ٹری بنا دیا جائے اور حضرت مفتی صاحبؒ کو جمعیۃ کا امیر بنا دیا جائے۔دانائے راز کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی بھی پشت پناہی تھی۔واللہ اعلم۔لازمی بات ہے کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے امیر جمعیۃ بننے سے حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ کی امارت بھی ختم ہوتی تھی۔حضرت درخواستیؒ کا عقیدت مند طبقہ کبھی بھی یہ صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔اندورن خانہ یہ کھچڑی پکتی رہی۔پھر یہ سلسلہ شروع ہوا کہ جمعیۃ طلبہ اسلام کا کنٹرول جمعیۃ علماء اسلام نے خود سنبھال لیا اور مولانا سعید احمد کا کنٹرول ختم کر دیا گیا۔جبکہ یہ اصولی طور صحیح نہیں تھا، اس لئے کہ دوسری جماعتوں نے بھی اپنی

ذیلی طلبہ تنظیمیں براہ راست جماعت کے کنٹرول میں نہیں رکھیں تھیں، صرف مالی سرپرستی کرتی تھیں تنظیمی لحاظ سے ان کا طریقہ کار جماعتوں سے علیحدہ ہوا کرتا تھا اور آج تک یہی کچھ ہوتا چلا آرہا ہے۔
یہاں پر اصل مقصد مولانا سعید احمدؒ کا کنٹرول ختم کرنا مقصود تھا کیونکہ اس وجہ سے جماعت پر ان کی گرفت مضبوط ہو رہی تھی۔ دوسری طرف حضرت درخواستیؒ کے کان بھی بھرے گئے، بزرگ حضرات اپنے چاہنے والوں کی بات کو معتبر سمجھتے ہیں۔ قسمت کی بات کہ ۱۹۷۶ء میں فیصل آباد میں مسجد انوری محلہ سنت پورہ میں حضرت مولانا عبداللہ درخواستی صاحبؒ کا بیان ہوا۔ اس بھرے جلسہ میں حضرت درخواستیؒ کے منہ سے کہیں یہ الفاظ نکل گئے ’’خانقاہ رحیمیہ ڈوب رہی ہے‘‘ بس پھر کیا ہونا تھا، اس جلسہ میں اکثر حضرات وہ تھے جنکا بیعت کا تعلق حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے والد حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کے ساتھ تھا۔ اس پر جمعیۃ میں توڑ پھوڑ شروع ہوگئی۔
چنانچہ اس کے بعد مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کی راہیں جدا ہوگئیں، کچھ طلبا لیڈران کے ساتھ ہو گئے، اس پر انہوں نے سب سے پہلا اجلاس ملتان میں ’’ریلی‘‘ کے نام سے منعقد کیا، جو کہ خاصا کامیاب رہا۔ پھر اس کے بعد دوریاں ہی بڑھتی گئیں۔
جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے انقلابی فلسفہ سے متاثر تھے اس لئے قدرتی طور پر ان کے نزدیک امریکی کیمپ میں روس کے خلاف لڑنا صحیح نہیں تھا۔ اس سے اختلاف کیا جا سکتا ہے، بلکہ میری اس سلسلہ میں ان سے کُھلی بحث بھی ہوئی۔ انہوں نے اس کا برا نہیں منایا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ ہمارے مجاہدین امریکی کیمپ میں نہیں لڑ رہے بلکہ امریکہ ہمارے مجاہدین کے کیمپ میں گُھس آیا ہے۔
اس پر وہ فرماتے کہ اس کا سارا فائدہ امریکہ لے جائے گا، اور پھر اس خطہ سے امریکہ کو نکالنا مشکل ہو جائیگا۔ مولانا اپنی بات میں مستقل مزاج تھے جس کی وجہ سے ان کے کلام میں بعض اوقات تلخی بھی آجاتی تھی، ہم لوگ چونکہ ان کے مزاج کو سمجھتے تھے اس لئے برا نہیں مناتے تھے، مگر دوسرے لوگ جو کہ محاذ جنگ پر تھے انہیں برا لگتا تھا۔ مولانا روس کے خلاف جنگ کو جہاد نہیں سمجھتے تھے۔ یہ ان کا اپنا نقطۂ نظر تھا۔ اس قسم کی دورائیں ہمیشہ اکابر میں رہی ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے لے کر آج تک جتنے بھی معرکے ہوئے ہیں ان سب میں ہمارے اکابرین کی رائیں مختلف فیہ رہی ہیں مگر کبھی کسی نے

اتنی شدت اختیار نہیں کی جتنی کہ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے نقطۂ نظر سے کی گئی۔

ایک دفعہ ہندوستان سے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ لاہور جامعہ مدنیہ میں تشریف لائے۔ میرا بھی وہاں جانا ہوا، میرے ساتھ حضرت مولانا مجاہد الحسینی دامت برکاتہم بھی تھے۔ میں تمام احترام بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت مولانا اسعد مدنیؒ کے ساتھ دائیں ہاتھ جا کر بیٹھ گیا۔ وہاں پر علماء کثیر تعداد میں حاضر تھے جس میں صوبہ سرحد کے زیادہ تر تھے۔ انہیں میں سے ایک بزرگ مولانا صاحب نے مولانا احمد سعید صاحبؒ کے نظریہ کے متعلق سوال کر دیا کہ وہ کہتا ہے کہ یہ جنگ جہاد نہیں، ہم نے اس کو علماء کے مجمع میں بار ہا بلایا وہ نہیں آیا۔ میں نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے عرض کی کہ اگر وہ نہیں آئے تو آپ حضرات خود تشرف لے جائیں، انہوں نے فرمایا کہ وہ اکیلا ہے اور ہم زیادہ ہیں، ہم اتنے علماء اس کی خدمت میں کیوں جائیں وہ خود ہمارے پاس آئے۔ میں نے عرض کی کہ وہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ بھی ہیں لوگ ان کی خدمت میں جاتے ہیں، آپ نے تو اپنا مسئلہ حل کرنا ہے تو اگر خود چلے جائیں گے تو آپ کی کوئی توہین نہ ہوگی۔ اس پر ان مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان پر تو علماء نے فتویٰ دے رکھا ہے، درمیان میں حضرت مولانا اسعد مدنیؒ نے مجھے خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا، میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ان صاحب نے پھر پوچھا کہ حضرت آپ وضاحت فرمائیں کہ افغان جنگ جہاد تھا یا نہیں۔ اس پر حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ جنگ افغانستان جہاد تھا۔ میں نے عرض کی حضرت یہ بات آپ ہندوستان میں کہہ سکتے ہیں، تو حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے یہاں پر سوال کا جواب دیا ہے، پھر کندھے پر ہاتھ رکھ کے مجھے خاموش ہونے کا اشارہ فرمایا، میں خاموش ہو گیا۔ یہ واقعہ غالباً ۲۰۰۰ء کا ہے۔

اس سے کچھ عرصہ بعد حضرت مولانا سعید احمدؒ صاحب فیصل آباد میں اپنے متعلقین کے ہاں تشریف لائے، مجھے بھی ان کی آمد کا علم ہوا اور ملاقات کرنے کا پیغام ملا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، چند باتوں کے بعد میں نے ان کو اپنے ہاں چائے کی دعوت دی۔ وہ دوسرے دن سہ پہر اپنے چند متعلقین کیساتھ ہمارے ہاں تشریف لے آئے۔ انہی دنوں افغانستان میں طالبان نے غزنی صوبہ میں بُدّھا کے مجسموں کو توڑنا شروع کر دیا تھا، اس پر عالمی سطح پر احتجاج شروع ہو گیا، اور انہی دنوں چین کے ایک

صوبہ میں اسلامی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا، جس کا تعلق بھی طالبان کی حکومت سے جوڑا جا رہا تھا، چونکہ پاکستان نے طالبان کی حکومت کو با قاعدہ تسلیم کیا ہوا تھا اس لئے پاکستان پر چین کی طرف سے بڑا دباؤ تھا۔میرے ذاتی خیال کے مطابق چین میں اسلام کے نام پر تحریک طالبان نہیں چلا رہے تھے بلکہ یہ کوئی خفیہ ہاتھ تھا، جو کہ طالبان اور چین کے درمیان منافرت پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اگر چہ یہ دونوں کام مستحسن تھے مگر ابھی ان کا وقت نہیں آیا تھا، ابھی پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا وقت تھا ۔مولانا سعید احمد رائے پوریؒ نے مجھ سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ" ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا میرا خیال ہے کا طالبان مخلص ہونے کے باوجود جلدی کر گئے ہیں، محمود غزنوی جو کہ خود بت شکن تھا اس نے بھی اپنے علاقے کے ان مجسموں کو نہیں توڑا، میرا خیال ہے کہ امریکہ اس خطہ میں اپنے قدم جمانا چاہتا ہے۔

جبکہ چین اس میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہے۔طالبان کی حکومت کے خلاف روس اور ایران کی حکومتیں ہیں، چین غیر جانبدار ہو کر اپنا کام کر رہا ہے، جس دن امریکہ یہاں پر قدم جمائے گا اس دن طالبان کی امریکہ سے لڑائی شروع ہوگی ،اور چین بھر پور طریقہ سے طالبان کی حمایت کرے گا، اس لئے کہ طالبان کی حکومت ہی چین کا سب سے بڑا دفاع ہے،اس خطرے کو بھانپتے ہوئے امریکہ سب سے پہلے چین کو طالبان کی حمایت سے دست بردار کرانا چاہتا ہے، اس کے لئے امریکہ نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ چین کے دل میں طالبان کے لئے نفرت بٹھا دی جائے ، اس کا واحد حل یہ سوچا گیا ہے کہ طالبان کے ذریعہ ایسے امور کو چھیڑا جائے کہ جن سے چین اور طالبان میں دوری پیدا ہو جائے اور امریکہ اپنا قبضہ جمالے، اس لئے ایک نادیدہ ہاتھ طالبان کو اس امر کے لئے اُکسا رہا ہے"۔میری یہ بات سن کر مولانا اُچھل پڑے، انہوں نے بڑھ کر میرا ماتھا چوما اور فرمایا آخر تم کس خاندان کے ہو، ایسی دور اندیشانہ سوچ تمہارے خاندان ہی کو حاصل ہے، میں بھی جب کبھی اس معاملہ پر سوچتا ہوں تو میری سوچ بھی اسی طرف جاتی ہے۔طالبان کا میں اب مخالف نہیں ہوں مگر یہ لوگ اخلاص کے باوجود امریکی سازش کو سمجھ نہیں رہے، دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔(آج ساری دنیا وہ نقشہ دیکھ رہی ہے جس کا خدشہ

ہمارے دل میں تھا)۔

وہیں یہ بات بھی چل نکلی کہ حضرت مولانا کے خلاف باقاعدہ ایک فتویٰ بھی مشتہر کیا گیا ہے۔فتویٰ پڑھنے کے بعد میں نے عرض کی کہ کیا واقعی آپ کے ایسے خیالات ہیں؟انہوں نے برجستہ فرمایا کہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے ماننے والے سے آپ ایسے خیالات کی امید رکھتے ہیں اور جبکہ حضرتؒ نے ان کو خلافت بھی دے رکھی ہو؟۔میں نے عرض کی کہ میرے دل میں بھی یہی بات ہے جو آپ فرمارہے ہیں،پھر ایسا کیوں ہوا؟انہوں نے کچھ باتیں فرمائیں جس کا اس مضمون میں ذکر کرنا مناسب نہیں،بس اتنا عرض کردینا کافی سمجھتا ہوں کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ سب کچھ غلط پروپیگنڈا ہے،میں آپ کو اختیار دیتا ہوں کہ آپ دونوں فریقوں کو بٹھا کر بات سن لیں پھر جو فیصلہ آپ کا ہوگا مجھے وہ منظور ہے۔میں نے عرض کی کہ میں تو بہت ہی چھوٹے درجہ کا آدمی ہوں،میں بھلا آپ کے درمیان فیصلہ کرنے والا کون ہوں،انہوں نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ ان حالات میں ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے والا تمہارے سوا مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔

میں نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ حضرت سید نفیس الحسینیؒ شاہ صاحب سے درخواست کردی جائے ،انہوں نے فرمایا میں میری طرف سے اجازت ہے۔حضرت سید نفیس الحسینیؒ شاہ صاحب چونکہ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلفاء میں سے تھے،اوران میں اعتدال کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔نیز میں نے کئی بار یہ بھی دیکھا تھا کہ جب ہم حضرت سید نفیس الحسینیؒ شاہ صاحب کے ساتھ ''ڈھڈیاں شریف'' حضرت اقدس رائے پوریؒ کے قبر پر حاضری کے لئے جاتے تھے تو حضرت شاہ صاحبؒ سرگودھا ہوتے ہوئے ضرور جاتے،اوراپنے ساتھ حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ رائے پوری کو گاڑی میں اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے۔ہم رات ڈھڈیاں گزارتے صبح کو واپسی پر مولانا کو سرگودھا اُتا دیتے۔میں نے اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔

انہی دنوں گجرات سے ایک بزگ کے فرزند صاحب نے مولانا سعید احمد رائے پوریؒ اوران کی جماعت کے متعلق بڑی سخت کتاب لکھی۔وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سامنے پڑی تھی،حضرت شاہ صاحبؒ نے

نہایت تأسف سے فرمایا کہ آج کل بلا تحقیق دوسروں پر کتاب لکھ دی جاتی ہے، کسی سے پوچھنا بھی گوارا نہیں کرتے، مجھ سے زیادہ مولانا سعید احمد کو کون جانتا ہے۔ پھر میری درخواست پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ مجھے تو مولانا سعید احمد صاحب میں کوئی ایسی خامی والی بات نظر نہیں آئی کہ جس کی وجہ سے ان کو کفر تک پہنچا دیا جائے۔

پھر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی کہروڑ پکا والوں کا نام لے کر فرمایا کہ اس سلسلہ میں ان سے رجوع کیا جائے، میں نے عرض کی کہ مولانا سعید صاحب کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کی باتیں انہی کی طرف سے ہوئی ہیں۔ میرے خیال میں ان سے بات کرنا معنی نہیں رکھتا، آپ ہی کچھ کریں، اس پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میں ان سے بات کروں گا۔ مگر لگتا ہے کہ بات نہیں بنی، میری بھی عادت ہے کہ میں بزرگوں سے بار بار سوال نہیں کرتا، اگر کوئی بات بنی ہوتی تو حضرت شاہ صاحبؒ مجھے ضرور فرماتے۔

گذشتہ شعبان گوجرانوالہ سے حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب مدظلہ راقم کے پاس تشریف لائے، باتوں باتوں میں حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ کے متعلق بھی بات چل نکلی۔ میں نے ان سے بھی عرض کی کہ اس قصے کو ختم ہونا چاہیے، انہوں نے وعدہ فرمایا۔ گوجرانوالہ سے جا کر انہوں نے مجھے فون پر فرمایا کہ میری حضرت مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہ سے اس سلسلہ میں بات ہوئی ہے، انہوں نے اس سلسلہ میں بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ میری ۸۲ سال کی عمر ہوگئی ہے زندگی کا کوئی پتہ نہیں میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ اب صاف ہو جائے۔ تو مجھ سے حضرت مفتی عیسیٰ خان صاحب نے فرمایا کہ آپ سلسلہ جنبانی شروع کریں، امید ہے کہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ میں چونکہ کچھ عرصہ تک سفر میں رہا، سوچا تھا کہ فراغت کے بعد حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دوں گا، مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مکاتیبِ رئیس الاحرارؒ سے

ایک سُلگتے موضوع پر

قسط 2

رئیس الاحرارؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ میں خط وکتابت

گزشتہ شمارے میں رئیس الاحرارؒ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے درمیان اس خط وکتابت کا پہلا حصہ شائع کیا تھا، اب اس کا دوسرا اور آخری حصہ شائع کیا جارہا ہے۔

از: کوچہ رحمان، چاندنی چوک، دہلی۔ ۲۶ جنوری ۱۹۵۴ء

بخدمت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔ حضرت کا والا نامہ ملا۔ مجھے اس بات کی سخت ندامت ہے کہ میں نے حضرت کو اس قسم کا خط کیوں لکھا جو حضرت کو ناگوار خاطر ہوا۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور آپ بھی معاف فرمائیں۔ یہ باتیں یقین سے عرض کرتا ہوں اس خط کے لکھنے میں میری نیت نیک تھی کوئی اعتراض مقصود نہ تھا۔ حضرت شیخ الہند رحمتہ اللہ علیہ کی تحریک کے مخالفین کے حالات اور اندرونی واقعات کا مجھے بھی بہت کچھ علم ہے۔ مگر اسی بیماری کے زمانے میں پرانے ''القاسم'' رسالے دیکھ رہا تھا ایک رسالے میں اس ایڈریس کا خلاصہ درج تھا۔ جو ۱۹۰۵ء میں گورنر لارڈ لوٹش کو مدرسہ میں دیا گیا تھا، اس کو پڑھ کر طبیعت ٹھنڈی ہوگئی کہ مدرسہ کے بزرگوں میں دو قسم کے خیالات قدیم سے چلتے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے تحریک خلافت، جمعیۃ العلماء اور کانگریس میں رہ کر انگریز کے خلاف جو آواز اُٹھائی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارا ان سے اختلاف مسلم لیگ میں جانے سے نہیں ہوا، اس لیئے کہ میں اور آپ بھی کسی دور میں مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کرتے رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلم لیگ نے ہمارے خلوص کی قدر نہیں کی۔ کیونکہ مسلم لیگ میں ایسے عناصر موجود تھے جن کو ہمارے تعاون کی بنیاد پر ان کے اپنے مفادات خطرے میں نظر آرہے تھے۔ مسٹر جناح بھی یہ چاہتے تھے کہ ہم ان کا ساتھ دیں، مگر مسٹر جناح میں استقلال کی کمی تھی۔ مسٹر جناح کو ایسے لوگوں نے گھیرا ہوا تھا کہ وہ ان کی مرضی کے بغیر نہیں چل سکتے تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے ہمارا اختلاف تقسیم ہند پر ہوا۔ ان کا

اجتہاد پاکستان بنانے کے حق میں تھا جبکہ ہمارا نہ بننے کے حق میں، مگر اس میں بھی ان کا اخلاص شامل تھا۔اس کی تفصیل میں گذشتہ عریضے میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ انہوں نے کوئی مفاد یہاں تک کہ کوئی مکان وغیرہ بھی اپنے نام نہیں کرایا۔اس لئے اس بارے میں یہ خط لکھنے کی جرأت کی، ورنہ مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں آپ کو لکھوں کہ یہ بات درست ہے یا غلط۔آخر میں آپ سے پھر معافی چاہتا ہوں، اب تو میرا دل بہت چاہتا ہے کہ میں اپنا دردِ دل آپ کو سناؤں اور آپ سے سنوں، جب بھی آپ مجھ کو وقت عنایت فرمائیں ۔ والسلام حبیب الرحمٰن لدھیانوی

۲۰ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

شیخ الاسلام حضرت مدنی بنام رئیس الاحرارؒ

محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم: مزاج مبارک والا نامہ مورخہ ۲۲/ جمادی الاوّل باعثِ فرازی ہوا۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے، اظہار واقعیت کی بنا پر تھا۔ آپ کو جو کچھ معلومات ہیں یہ میرے خیال میں بہت کم ہیں، بہر حال جو گزرا گزر گیا۔

درمیانِ ما و جاناں ماجرائے رفت رفت

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا۔ الآیۃ اب ان تذکروں کو درمیان میں لانا بے موقعہ ہے۔ یہ ناکارہ اس تحریک کا اٹھانے والا نہ تھا بلکہ محرک مرحوم کا نالائق اور ناکردہ خادم تھا اور ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ادائے خدمت میں میں نے کوتاہی نہیں کی۔

نہ مرتے مرتے محبت سے منہ پھیرا کبھی میں نے
جفائیں سینکڑوں جھلیں وفا پر اپنی نازاں ہوں

میں ہمیشہ کوشاں رہا کہ اکابر کی شان میں کسی گستاخی اور سوئے ادبی کی نوبت نہ آئے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں پوری طرح سے یا بڑے درجہ تک کامیاب رہا۔ واللہ اعلم۔ آپ یہاں آنے کی تکلیف نہ فرمائیں میں ممکن ہے کہ قریبی زمانہ میں دہلی حاضر ہوں تو خدمتِ اقدس میں حاضری سے مشرف ہونگا۔ والسلام دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں۔

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ۔ ۷/ رجب ۱۳۷۳ھ

مفتیؒ عصر کی باتیں

یوں تو ہماری مسجد مدرسہ والی، اور ادارے جامعہ ملیہ اسلامیہ (سابق مدرسہ تجوید القرآن) خانقاہ حضرت رائپوریؒ فیصل آباد کو ۱۹۴۷ء سے ہی مرکزی حیثیت حاصل ہے، جس میں بزرگان دین کی آمد رہتی ہے، اس کی وجہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور تبلیغی جماعت کے امیر حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس ادارے میں مسلسل تشریف لانا رہا ہے۔ راقم کے والد حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ کو حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے خاص نسبت تھی۔ اس لئے یہ دونوں بزرگ والد صاحبؒ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اسی ناتے سے ان کی زندگی اور انتقال کے بعد بھی بزرگ حضرات ہم ناکاروں پر بھی شفقت فرماتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی مفتیؒ عصر حضرت مولانا محمد عیسیٰ گورمانی صاحب مدظلہ آف گوجرانوالہ کا شعبان المعظم میں ہمارے ہاں تشریف لانا ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے تعارف حضرت سید نفیس الحسینی نوراللہ مرقدہ کی رہائش گاہ پر ہوا۔ پھر حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی شفقتیں راقم پر ہونے لگیں۔ حضرت مفتی صاحب جہاں پر علم کا سمندر ہیں وہیں تاریخ میں رسوخ بھی رکھتے ہیں، خصوصاً اکابرین کی تاریخ پر ان کی گہری نظر ہے۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے کئی واقعات ان کو ازبر ہیں۔ مختلف موقعوں پر ان کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ ہمارے ہاں جب تشریف لائے تو انہوں نے اس سلسلہ میں کئی واقعات سنائے۔

فرمایا! تونسہ شریف کے پہلے بزرگ خواجہ محمد سلیمانؒ تھے، جن کے نام سے خانقاہ آباد ہے، پھر ان کے بعد انکے بیٹے خواجہ خیر محمدؒ جانشین ہوئے، پھر ان کے بعد خواجہ اللہ بخشؒ، پھر ان کے بعد خواجہ محمودؒ اور پھر ان کے بعد خواجہ نظام الدینؒ جانشین ہوئے۔

فرمایا! خواجہ محمود صاحبؒ علماءِ حق سے عقیدت و تعلق رکھتے تھے۔ سیرت کانفرنس میں رئیس الاحرار حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو ضرور بلوایا کرتے تھے۔

محمود آیا ہے معبود نہیں آیا

فرمایا! ایک دفعہ خانقاہ میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ سیرت کے موضوع پر خطاب فرما رہے تھے کہ دوران خطاب سجادہ نشین جناب حضرت خواجہ محمود صاحبؒ تشریف لے آئے، لوگ تقریر چھوڑ کر سجادہ نشین صاحب کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے، تو رئیس الاحرارؒ نے مجمع سے جوش میں فرمایا!

''بیٹھ جاؤ محمود آیا ہے معبود نہیں آیا''

مکتوبات مجدّد الف ثانی کا درس

فرمایا! حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ فرمایا کرتے تھے ایک دفعہ خانقاہ خواجہ سلیمان تونسوی میں رئیس الاحرارؒ نے گیارہ دن تک حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا درس دیا، جس طرح انہوں نے تو حید و رسالت کا عقیدہ بیان کیا تو خانقاہ کے خلفاء چیخ اٹھے اور کہا کہ اگر یہ عقیدہ مسلسل بیان کیا گیا تو ہمارے لئے کچھ نہیں بچے گا۔

نوٹ:۔ رئیس الاحرارؒ نے حضرت مجدّد الف ثانی کے مکتوبات سے جو کچھ سمجھا تھا اس کو راقم مختصر طور پر یہاں لکھ دینا مناسب سمجھتا ہے۔ رئیس الاحرارؒ نے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو ایک خط میں لکھا:

''آپ کا مجدد الف ثانیؒ نمبر ۱۳۵۷ھ بھی یہاں کی فرصت ہی میں باطمینان دیکھ سکا ہوں۔ میں نے اس میں خاص طور سے یہ چیز تلاش کی کہ وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے آپ کو دنیائے اسلام کا ممتاز مجدّد تسلیم کیا گیا۔ مگر جس کسی نے لکھا یہی لکھا ہے کہ اکبر نے جو بددینی پھیلائی تھی آپ نے اس کا مقابلہ کیا بلکہ ازالہ فرما دیا۔ بدعات کی بیخ کنی فرمائی، تصوف میں جو خلاف شریعت اُمور داخل ہو گئے تھے اُن کو اس سے جدا کیا۔ بیشک یہ کام بھی بہت بڑے ہیں جو آپ نے سر انجام دیئے ہیں مگر اس قسم کی خدمتیں میرے خیال میں اور بزرگوں نے بھی انجام دی ہیں، اس لئے صرف انکی بنیاد پر سلسلہ تجدید میں آپ کا امتیاز میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اس سال رمضان شریف میں ''مکتوباتِ امام ربانی'' کا مطالعہ کر رہا تھا، اچانک ان مکتوبات پر نظر پڑی جن میں حضرت ممدوح نے دین کی حقیقی بنیاد کو گویا از سر نو استوار کیا، جس کو اپنوں کے ہاتھوں نے گویا

گرادیا تھا۔اس سے میری مراد ''منصبِ نبوت اور مقامِ ولایت'' کے متعلق خاص نیک بختوں کی وہ عام گمراہی ہے جس میں اس وقت کا دیندار اور خداپرست گروہ عموماً مبتلا ہورہا تھا۔یعنی نبوت کو ولایت سے دوم درجہ کی چیز کر دیا گیا تھا۔تصوف کا مقام اتنا بلند مان لیا گیا تھا کہ ولایت ہی حقیقی چیز سمجھ لی گئی تھی۔ نبوت اور جو کچھ نبوت کے ذریعہ آیا تھا وہ سب تصوف اور صوفیاء کی محبت پر قربان کر دیا گیا تھا۔ اورطریقت وحقیقت کوشریعت کا مقابل اور پھراس سے افضل قرار دے کرشریعت کی اہمیت کو بالکل ہی گرادیا تھا۔

میرے خیال میں صرف حضرت مجددؒ الف ثانی ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس گمراہی کی خطرناکی کا پورا احساس فرمایا اور اس کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی اور بتلایا کہ اصل چیز اور مدارِ نجات نبوت اور شریعت کی اطاعت ہی ہے۔اور ولایت کی حیثیت نبوت کے مقابلہ میں بس اتنی ہے جتنی کہ سمندر کے سامنے قطرہ کی، بلکہ اس سے بھی کم۔اس مسئلہ میں آپ کا شرح صدر اس قدر ہوا کہ آپنے مکتوبات میں متعدد جگہ صاف لکھا کہ ''مکتبِ شریعت کا ایک گرفتار طالب علم صاحبِ احوال سچے صوفی پر فضلیت رکھتا ہے۔

میرے خیال میں حضرت مجدّد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کسی صوفی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف نہیں کیا اور اُن کے بعد بھی کسی نے اس طرف ایسی توجہ نہیں کی۔حالانکہ یہ مسئلہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ''خداپرستوں'' میں بہت سی گمراہیاں نبوت وشریعت کا مقام نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی عالم ان تمام مکاتیب کو اچھی طرح ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دے جن میں مقامِ نبوت وشریعت کے متعلق حضرت مجدّد صاحبؒ نے جو کچھ لکھا ہے۔یہاں جیل ہی میں امام ربّانی کے مکتوبات کی میں تیسری جلد دیکھ رہا تھا۔

بعض مکاتیب میں چند سطریں اس مسئلہ پر ہیں جن میں علوم کے دفتر چھپے ہوئے نظر آئے۔افسوس ہے کہ میں خود لکھنے سے معذور ہوں اور کوئی لکھنے والا دوست یہاں میرے ساتھ بھی نہیں ورنہ یہاں کی تنہائی اور فرصت میں بہت کچھ ہوسکتا تھا۔''

(تلخیص مکتوب از رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بنام مولانا محمد منظور نعمانی، ماہنامہ الفرقان بریلی، مئی ۱۹۴۱ء)

قیامت کو جواب دہی

فرمایا! رئیس الاحرارؒ ایک دفعہ خانقاہ تونسہ شریف گئے تو لوگوں کو بدعات کرتے ہوئے دیکھا تو خواجہ محمود صاحبؒ سے فرمایا کہ قیامت کے دن جس طرح عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا جائے گا ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ ۔ترجمہ: کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بناؤ'' اسی طرح حضرت خواجہ سلیمان تونسویؒ سے بھی پوچھا جائے گا، اس کے ذمہ دار تم لوگ ہوگے۔

عجمی اذان

فرمایا ! گوجرانوالہ میں لدھیانہ کے عبدالکریم نامی ایک صاحب رہتے تھے،ان کا انتقال ہوگیا ہے۔عبدالکریم صاحب نے واقعہ سنایا کہ میں رئیس الاحرارؒ کے محلّہ کا رہائشی تھا، ایک دفعہ میں نے بلا اجازت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی مسجد میں اذان کہہ دی، میں خوش الحان نہیں تھا، اذان میں پنجابی لہجے کی جھلک تھی، اچانک رئیس الاحرارؒ کے بھائی مولانا محمد یحیٰ تشریف لائے اور مجھے دیسی لہجے میں اذان کہنے پر ڈانٹ پلادی، اس پر رئیس الاحرارؒ نے اپنے بھائی صاحب سے فرمایا مولوی یحیٰ ہم لوگ عجمی ہیں، ہمارے ہاں ایسی اذان کفایت کر جاتی ہے۔

فرمایا!

سیال شریف کے جدّ امجد خواجہ محمد اشرف سیالویؒ خواجہ سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ تھے، اور ان کے خلیفہ پیر مہر علی شاہ صاحبؒ تھے۔

فرمایا!

ایک دن امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جانا ہوا، دوران گفتگو حضرت امیر شریعتؒ نے فرمایا کہ ایک دفعہ تونسہ شریف کے گدی نشین خواجہ نظام الدّین تشریف لائے۔انہوں نے پوچھا کی کیا حال ہے گلابی وہابی۔تو میں نے بھی کہا اچھا حال ہے عنابی۔فرمایا کہ گلاب اور عناب کا وزن بھی ملتا ہے اور رنگ بھی۔

بٹالوی صاحب کی مرزا مخالف تحریک کی ابتدا

گزشتہ شمارے میں ہم نے لکھا تھا کہ خاندانِ علماء لدھیانہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیدیا تھا۔ یاد رہے کہ یہ فتویٰ بھی اُسی طرح انفرادی تھا جس طرح مرزا قادیانی پر ۱۸۸۴ء کا فتوائے کفر۔ اُس وقت بھی ہندوستان کے کسی عالم نے اس فتوائے کفر کی حمایت نہیں کی تھی، بلکہ لدھیانہ کے دوسرے علماء نے کھل کر اس کی مخالفت کی تھی اور اس فتوائے قتل کی بھی کسی نے حمایت نہیں کی تھی۔ لدھیانہ کے وہ علماء جو کہ خاندان علماء لدھیانہ کے فتوائے کفر کے وقت مخالف تھے البتہ مرزا قادیانی کے دعوائے مسیحیت پر ان کے کان ضرور کھڑے ہوگئے تھے۔

جن میں مولوی شاہ دین، مولوی نور محمد، مولوی سعد اللہ، عباس علی صوفی اور غیر مقلدین کے سرخیل مولوی محمد حسن رئیس لدھیانہ شامل تھے۔ ان حضرات نے اب بھی کھم کھلا کفر کا فتویٰ نہیں دیا تھا، یہ لوگ مرزا قادیانی اور مولانا بٹالوی کے مباحثے پر نظریں لگائے ہوئے تھے اور مولانا بٹالوی کے فیصلے کے منتظر تھے۔ یہ حضرات اگر کفر کا فتویٰ لگا بھی دیتے تو بھی بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس لئے کہ اب مرزا کا ارتداد، دعوائے مسیحیت کی شکل میں کھل کر سامنے آگیا تھا۔ اب مرزا قادیانی ''براہین احمدیہ'' میں کئے گئے دعووں کی بنیاد پر علی الاعلان ایک قدم آگے رکھ چکا تھا۔

اب فتوے کی ضرورت نہیں بلکہ ارتداد کی شرعی سزا کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اس کے لئے بھی علماء لدھیانہ نے ہی پہل کی، مگر مرزا قادیانی بچ کر نکل گیا۔ علماء لدھیانہ کے ارتداد کے فتوے پر سب سے پہلے عمل افغانستان کے حکمرانوں نے کیا۔ جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ افغانستان کے حکمران خاندان علماء لدھیانہ سے بیعت تھے، انہوں نے اسی خاندان سے فتویٰ لے کر دو قادیانی مبلغوں کو سنگسار کر دیا تھا۔ اس کی مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

دوسری طرف مولانا بٹالوی اور مرزا قادیانی کے درمیان مباحثۂ لدھیانہ نے جہاں پر مرزا غلام احمد قادیانی کی علمی صلاحیت کا پول کھول دیا تھا وہیں پر یہ مباحثہ پانی میں مدھانی ثابت ہوا۔ یعنی جس طرح

ساری زندگی پانی میں مدھانی چلانے سے مکھن نہیں نکل سکتا اسی طرح مرزا قادیانی کے جاہلانہ اور غیر مقلدانہ طرزِ عمل نے اس مباحثہ سے کوئی نتیجہ نہیں نکلنے دیا، البتہ فائدہ یہ ہوا کہ مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم کا مرزا قادیانی سے سارا حُسنِ ظن ختم ہوگیا، اور پھر اس کے بعد وہ مرزا قادیانی کے بڑے مدمقابل بن کر اُبھرے۔

اس مباحثہ کے بعد مولانا بٹالوی نے باقاعدہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف ایک تحریری تحریک شروع کردی۔ پہلا کام اسی ماہنامہ ''اشاعۃ السنۃ'' کو جس میں انہوں نے بذاتِ خود مرزا غلام احمد قادیانی کو ولی، ملہم اور مثیل مسیح قرار دیا تھا اب اس کی تردید کے لئے وقف کردیا۔

اس سلسلہ کی ابتداء انہوں نے اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' جلد نمبر ۱۳ ر میں اپنی اس پہلی تحریر سے کی: مولانا بٹالوی کیا لکھتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے۔:

کیونکہ اسی (اشاعۃ السنۃ) نے قادیانی کے سابق دعویٰ حمایت اسلام اور مقابلہ مخالفین اسلام و وعدہ تائید دین بنشا نہائے آسمانی و نصرت اصول اتفاقی اسلامی سے دھوکہ میں آکر ریویو براہین احمدیہ مندرجہ نمبر ے وغیرہ جلد نمبر ے میں اس کو امکانی ولی و ملہم بنایا اور لوگوں کو اس کا اعتبار جمایا تھا جس کو یہ حضرات اپنے دعاوی مستحدثہ کی تائید میں اب پیش کررہے ہیں اور اس کی عبارات اپنی تحریرات اور رسائل میں نقل کرکے ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور اپنے دعاوی کی صحت ثابت کررہے ہیں۔

اشاعۃ السنۃ کا ریویو براہین اس کو امکانی ولی و ملہم نہ بناتا تو وہ اپنے سابقہ الہامات مندرجہ ''براہین احمدیہ'' کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی نظر میں بے اعتبار ہو جاتا۔ کیونکہ بہت سے علماء، مختلف دیار ہندوستان و پنجاب و عرب کا ان الہامات کے سبب اس کی تکفیر و تفسیق و تبدیع پر اتفاق ہو چکا تھا۔ صرف اشاعۃ السنۃ کے ریویو نے فرقہ اہلحدیث اور اپنے خریداروں کے خیال میں اس کے الہام و ولایت کا امکان جمار کھا اور اس کو حامی اسلام بنا رکھا تھا۔

لہٰذا اسی اشاعۃ السنۃ کا فرض اور اس کے ذمہ یہ ایک قرض تھا کہ اس نے جیسا اس کو دعاوی قدیمہ کی نظر سے آسمان پر چڑھایا تھا ویسا ہی ان دعاوی جدیدہ کی نظر سے اس کو زمین پر گرادے اور تلافی مافات عمل میں لاوے اور جب تک یہ تلافی پوری نہ ہولے تب

تک بلاضرورت شدید کسی دوسرے مضمون سے تعرض نہ کرے۔

(اشاعۃ السنۃ نمبر ا جلد ۱۳ ص ۳،۴)

مولانا محمد حسین بٹالوی واشگاف الفاظ میں ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء جب خاندانِ علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ دیا تھا اس وقت سے لے کر ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء کے درمیانی عرصہ کا ذکر فرمارہے ہیں کہ جب اس کفر کے فتوے کے جواب میں انہوں نے ''براہین احمدیہ'' پر ریویو لکھا تھا مرزا غلام احمد قادیانی پر بہت سے علماء دیار ہندوستان و پنجاب وعرب کا اس کے الہامات کے سبب تکفیر ،تفسیق پر اتفاق ہو چکا تھا اس کے باوجود صرف ان کے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' نے فرقہ اہلحدیث اور اپنے خریداروں کے خیال میں اس کے الہام وولایت کا امکان جمار کھا اور اس کو حامیٔ اسلام بنا رکھا تھا۔

یہاں پر پنجاب سے مراد خاندانِ علمائے لدھیانہ ہیں جنہوں نے ۱۳۰۱ھ میں سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دیا، پھر مولانا غلام دستگیر قصوری ہیں جنہوں نے ۱۳۰۲ھ میں اس پر کفر کا فتویٰ مرتب کر کے ۱۳۰۳ھ میں بلادِ عرب اور بلادِ ہند میں بھیجا وہاں سے علمائے حرمین نے مرزا قادیانی پر کفر کے فتوے کی توثیق کی۔اور یہ فتویٰ بلادِ عرب سے ۱۳۰۵ھ میں واپس ہوا (جس کو ہم گذشتہ شماروں میں شائع کر چکے ہیں)۔جبکہ مولانا بٹالوی نے ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۲ء میں جا کر کہیں فتویٰ شائع کیا ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی کی طرف مرزا قادیانی کے خلاف علماء ہند سے استفتاء

مولانا محمد حسین بٹالوی نے اس کے بعد محسوس کیا کہ میں مرزا قادیانی کی جواب تک حمایت کرتا رہا یہ بڑی غلطی ہے۔چنانچہ انہوں نے اپنے اس عمل سے رجوع کرنے کا سوچا اور مرزا غلام احمد قادیانی کی مخالفت پر کمر باندھی اور بڑی شدت کے ساتھ اس کی مخالفت شروع کی۔اس کے متعلق مرزا قادیانی پر اوّل مکفرّ مولانا محمد لدھیانویؒ لکھتے ہیں:

محمد حسین لاہوری جو کہ غیر مقلدین ہند کا مقتداء مشہور ہے نے امداد قادیانی پر کمر باندھی اور اپنے رسالہ ماہواری میں ہماری مذمت اور قادیانی کی تائید کرتا رہا۔یعنی کلمات کفریہ کو معاذ اللہ اشاعۃ السنۃ قرار دیتا رہا

مصرع (برعکس نہند نام زنگی کافور)

لیکن اس ماہواری رسالہ کے ذریعہ سے

بموجب شعر۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد
ضمیر مایہ دوکان شیشہ گر سنگ است

اکثر اہل علم کو کلمات کفریہ قادیانی کے معلوم ہوگئے اور ہمارے فتویٰ کی تصدیق کی ندا ہر طرف سے آنے لگی۔ یہاں تک کہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے ایک استفتاء قادیانی کے باب میں علماء حرمین کی خدمت میں روانہ کیا۔ مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مرحوم (مراد اس سے مولانا رحمت اللہ کیرانوی ہیں) نے بعد کمال تتبع ''براہین احمدیہ و نہایت تفتیش رسالہ جات لاہوری (مولانا بٹالوی)'' کے یہ جواب لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ باقی علماء حرمین نے اسی مضمون کے مطابق اپنی اپنی رائیں ظاہر کیں......اسی طرح محمد حسین لاہوری نے جب خیال کیا کہ علماء حرمین و اکثر علمائے اہل ہند نے قادیانی کی تکفیر پر مولویان لودھیانویوں کے ساتھ جن کے میں برخلاف ہوں اتفاق کر لیا تو اب مجھ کو بھی مناسب یہی ہے کہ قادیانی کی امداد سے دست بردار ہو کر اس کی تکفیر پر کمر باندھوں۔ (فتاویٰ قادریہ صفحہ ۱۷۔۱۸۔۱۹)

پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ چشم فلک نے یہ بھی دیکھا کہ وہ مولانا محمد حسین بٹالوی جو کہ کسی زمانہ میں (۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء سے ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء تک) خاندانِ علماء لدھیانہ کی طرف سے مرزا غلام احمد قادیانی پر دیئے گئے فتوائے کفر کی بڑی شدت سے تردید کرتے رہے، اب انہی مولانا محمد حسین بٹالوی کے سامنے خاندانِ علماء لدھیانہ کے فتوائے تکفیر کی حقانیت الم نشرح ہوگئی۔ و
ہی مولانا محمد حسین بٹالوی اب مرزا قادیانی کے خلاف کفر کے فتوے کے لئے استفتاء کا ایک پلندہ بغل میں دبائے ہوئے ہندوستان کے مختلف صوبوں، شہروں اور قصبوں کا سفر کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ اور ہر مکتب فکر کے علماء سے اس پر جواب طلب کر رہے ہیں۔

اس استفتاء کا انہوں نے سب سے پہلا جواب اپنے شیخ الکل مولانا نذیر حسین دہلوی مرحوم سے حاصل کیا۔ مولانا نذیر حسین دہلوی مسلک اہل حدیث کے وہی بزرگ ہیں جن کو خاندانِ علماء لدھیانہ کی طرف سے مرزا قادیانی پر کفر کے فتوے کے تقریباً آٹھ ماہ بعد باقاعدہ مولانا بٹالوی اپنے دوست مرزا غلام احمد قادیانی کا نکاح پڑھانے کے لئے لائے تھے، اور مولانا نذیر حسین کو نکاح پڑھانے کے بعد

ہدیۃً پانچ روپئے اور ایک مصلّٰے پیش کیا تھا۔

اس فتوے پر مولانا بٹالوی نے مولانا نذیر حسین دہلوی کے علاوہ خاندانِ علماء لدھیانہ حضرت مولانا محمد لدھیانویؒ، حضرت مولانا عبدالعزیز لدھیانویؒ ،حضرت مولانا عبداللہ لدھیانویؒ ۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ،حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ،حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ ،حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ،حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ ،حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ ، اور ہندوستان کے مختلف مقامات سے مشہور علماء اور سجادہ نشینوں کی آراء جو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی تکفیر کے متعلق تھیں حاصل کیں۔

مولانا بٹالوی نے فتویٰ حاصل کرنے کا کام اگست ۱۸۹۱ء میں شروع کیا اور پھر اس کو ۱۸۹۲ء میں شائع کیا۔ یہ فتویٰ چونکہ ''دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور'' نے شائع کردیا ہے ،اس لئے طوالت سے بچنے کے لئے یہاں پر شائع نہیں کیا جارہا۔ جو صاحب خواہش مند ہوں تو وہاں سے لے کر پڑھ سکتے ہیں۔

غیر مقلّدین کی بددیانتی

ہمیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کافی عرصہ سے بعض لوگ تاریخ کو مسخ کرنے پر گامزن ہیں ،کیونکہ ان کے بڑوں نے تاریخ میں بھیانک کردار ادا کئے ہیں، جن میں غیر مقلّدین کا طبقہ (جو کہ اپنے آپ کو اہل حدیث کے نام پر متعارف کراتا ہے) سر فہرست ہے۔غیر مقلّدین کے طبقے کے لئے انگریزی حکومت سے اہل حدیث کا نام رجسٹرڈ کروانے میں مولانا محمد حسین بٹالوی کا بڑا کردار ہے۔اس طبقہ نے انگریز کی سرپرستی میں جنم لیا ،اور پھر اُسی سے رجسٹرڈ ہوکر ہندوستان میں پھیل گئے ،اور نئے نئے عقائد لوگوں کے سامنے آنے لگے۔اس کے متعلق اسی طبقہ کے مشہور عالم مولانا ابو یحیٰی محمد شاہجہان پوری (غیر مقلّد) فرماتے ہیں۔

> کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں ،جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں ،پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے۔ بلکہ ان کا نام تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحّد کہتے ہیں۔مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلّد' یا وہّابی' یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔

(الارشاد الیٰ سبیل الرشاد صفحہ ۹۔شائع کردہ۔صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

مرزا غلام احمد قادیانی بھی انہی لوگوں میں سے تھا،تبھی تو مولانا بٹالوی اس کی وکالت فرماتے رہے،اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔ جب انہی کے مسلک کے ترجمان ''دار الدعوۃ السّلفیہ لاہور'' نے مولانا بٹالوی کے فتوے کا جدید ایڈیشن شائع کیا تو اس میں ایک بددیانتی تو یہ کی کہ خاندانِ علماء لدھیانہ کے فتویٰ نکال دیا۔وجہ اس کے صرف یہ کہ ان لوگوں نے تاریخ میں بددیانتی کر کے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتویٰ مولانا بٹالوی نے دیا ہے۔حالانکہ یہ صریح جھوٹ ہے،اس کے تفصیل ہم گزشتہ شمارں میں شائع کر چکے ہیں اور آئندہ بھی آتی رہے گی۔
دوسری بددیانتی یہ کہ اس کا اصل نام ''فتویٰ علماء پنجاب و ہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان'' تبدیل کر کے ''پاک و ہند کے علماء اسلام کا اوّلین متفقہ فتویٰ'' رکھ دیا گیا تا کہ پڑھنے والے کو یہ تأثر ملے کہ بٹالوی صاحب کا فتویٰ کفر ہی اوّلین فتویٰ ہے۔
موقع محل کے اعتبار سے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مولانا بٹالوی نے دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے فتوے میں علماء لدھیانہ کی جو تحریر شائع کی تھی وہ اپنے قارئین کی نذر کر دی جائے۔مولانا بٹالوی لکھتے ہیں:

بعض علماء وصوفیاء لودہانہ

لودہانہ کے مشہور مولویوں کے پاس یہ فتویٰ پیش کیا گیا تو انہوں نے اپنا اشتہار ۲۹ رمضان ۱۳۰۸ ہجری اس پر عبارت ذیل لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیا۔

''یہ اشتہار ہماری طرف سے واسطے درج کرنے اس فتویٰ کے جو علماء ہندوستان نے نسبت مرزا غلام احمد کادیانی کی تکفیر وغیرہ کا دیا ہے شامل کیا جائے۔''

وہ اشتہار چونکہ بہت طویل ہے اس لیے اس کے صرف چند فقرات اس مقام میں نقل کیے جاتے ہیں۔

''چونکہ ہم نے فتویٰ ۱۳۰۱ھ میں مرزا مذکور کو دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کا جاری کر دیا تھا.. یہ شخص اور ہم عقیدہ اس کے اہل اسلام میں داخل نہیں ....اور اب بھی ہمارا یہی دعویٰ ہے کہ یہ شخص اور جو لوگ اس کے عقائد باطلہ کو حق جانتے ہیں شرعاً کافر ہیں..........جب مرزا قادیانی اسلام سے خارج ہے تو مرزا کو اوّل اپنا اسلام ثابت کرنا پڑے گا بعد میں عیسٰی موعود ہونے میں کلام شروع ہوگی...........خلاصہ مطلب

ہماری تحریرات قدیمہ اور جدیدہ کا یہی ہے کہ یہ شخص مرتد ہے اور اہل اسلام کو ایسے شخص سے ارتباط رکھنا حرام ہے.........جیسا ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے ....اسی طرح جو لوگ اس پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔

المشتہران:

مولوی محمد و مولوی عبداللہ و مولوی عبدالعزیز سکنہائے لودہانہ عفا اللہ عنہ

(فتویٰ علمائے پنجاب و ہندوستان بحق مرزا غلام احمد ساکن قادیان (اشاعۃ السنہ نمبر۱۲ جلد۱۳)

مولانا محمد حسین بٹالوی کی علماء لدھیانہ کی مسجد میں بیان کی خواہش

مولانا محمد حسین بٹالوی کی خصوصیت یہ تھی کہ جب وہ کسی کے ساتھ ہو جاتے تھے تو اپنا سب کچھ اس پر قربان کرنے پر تُل جاتے تھے۔اور جس کسی کے خلاف ہو جاتے تھے تو اس کے خلاف پورے غضب کو استعمال کرتے۔

مثلاً جب وہ مرزا قادیانی کے ساتھ تھے تو تن، من، دھن سے اس پر فدا تھے، چونکہ علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کے خلاف کفر کا فتویٰ دیدیا تھا اس لئے انہوں نے علماء لدھیانہ کو اپنے انتہائی غضب کا نشانہ بنایا۔مگر جب انہوں نے پلٹا کھایا تو مرزا غلام احمد قادیانی ان کے غضب کا شکار ہو گیا اور علماء لدھیانہ کے ساتھ مصالحت کی کوشش فرمانی شروع کردی۔

اس سلسلہ میں مولانا محمد لدھیانویؒ فتاویٰ قادریہ میں لکھتے ہیں

"کچھ مدت بعد مولوی محمد حسین لاہوری نے اپنا ذمہ قادیانی کی امداد سے بری کرنے کے واسطے بحث شروع کر کے فتویٰ کفر کا لگا کر علماء ہندوستان کی مواہیر اس پر ثبت کرالیں۔ جب بوقت واپسی اس شہر لودھیانہ میں آیا تو مولوی مشتاق احمد صاحب مدرس مدرسہ سرکاری و خان صاحب بہرام خان افسر پولیس کو ہمارے پاس اس غرض سے بھیجا کہ مجھ کو مولوی صاحبان اپنے مکان یا مدرسہ یا مسجد میں بلا کر جلسۂ عام میں میرے سے مضمون ان مواہیر کا جو قادیانی کی تکفیر پر علماء سے ثبت کرالایا ہوں معلوم کریں۔ہم نے جواب دیا کہ ہم اس کو ہرگز ہرگز اپنے پاس بلانا نہیں چاہتے

کیونکہ ہم قدیم سے وعظ میں بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں سے ہرگز ملاپ نہ رکھو

،رشتہ داری نہ کرو،اب ہم مولوی محمد حسین لاہوری کو اپنے پاس کس طرح بلاویں۔البتہ اگر غیر مقلّدی سے تائب ہو کر آوے تو ہم اس کی ملاقات کر سکتے ہیں۔خان صاحب بہرام خان نے کہا کہ پہلے مولوی محمد حسین قادیانی کا طرف دار تھا اب وہ اس کے بر خلاف ہو کر اس کو کافر کہنے میں آپ سے موافق ہو گیا۔

اگر آپ نرمی فرماویں تو شاید غیر مقلّدی سے بھی رجوع کر کے بالکل مقلّد ہو جاوے۔میں نے جواب دیا کہ قادیانی کے بر خلاف ہونا اس کا ہماری نرمی سے نہیں ہوا بلکہ خدا تعالیٰ نے اس کو اس طرف سے برگشتہ کیا،اسی طرح جب خدا تعالیٰ کو اس کی ہدایت منظور ہو گی غیر مقلّدی سے بھی اس کو برگشتہ کر دیگا۔پھر خان صاحب موصوف نے کہا کہ اگر آپ اس کو بلانا نہیں چاہتے تو اپنے معتقدین کو اس کے پاس بھیج دیں تا کہ مضمون مواہیر کا ان کے گوش زدٗ ہو جاوے۔

میں نے کہا کہ اچھا آپ اس کو(مولوی محمد حسین لاہوری)یہ کہہ دیں کہ باغ والی مسجد میں آ کر مضمون تکفیر قادیانی کا بیان کرے،ہم اپنے لوگوں کو کہہ دیں گے کہ تم لوگ بھی اس جلسہ میں جا کر قدرت ایزدی کا معائینہ کرو کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے فتویٰ کی صداقت اسی مولوی محمد حسین لاہوری کے ہاتھ سے کروائی جو اس کا پرلے درجہ کا مددگار تھا، اپنے رسالہ ماہواری میں بڑے زور وشور سے اس کی تعریف لکھتا تھا اور ہمارے فتویٰ کی تردید چھاپتا تھا۔(فتاویٰ قادریہ صفحہ ۲۴،۲۵)

یہاں پر مولانا محمد لدھیانویؒ نے مولانا بٹالوی کی تقریر کرنے کی درخواست کو صرف اس لئے ردّ کر دیا کیونکہ وہ غیر مقلّدیت پر قائم تھے،یہ ان کا اصولی موقف تھا،اس سے پہلے ان حضرات کا تقلید اور ترک تقلید پر اختلاف تھا،بلکہ مباحثوں اور مناظروں اور فتووں تک بات پہنچی تھی۔مرزا غلام احمد قادیانی کا معاملہ تو بعد میں پیش آیا،ورنہ اختلاف کا پرنالہ تو وہیں پر بہہ رہا تھا۔

خاندانِ علماءِ لدھیانہ کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان میں جتنے بھی فتنے سر اُبھار رہے ہیں یہ سب کے سب ترکِ تقلید کا ہی شاخسانہ ہیں۔جس میں سر سید احمد خان کا نظریۂ نیچری،فتنہ انکار حدیث،اور پھر قادیانی فتنہ۔ان سب کے پیچھے ترکِ تقلید کا عقیدہ ہی کار فرما ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی اوّل سے آخر تک ترکِ تقلید کے عقیدے پر قائم رہا، مولانا محمد حسین بٹالوی سے جب مباحثہ لاہور ہونے کو تھا تو مرزا قادیانی کی طرف سے اس مباحثہ کی تیسری شرط یہ تھی:

''مقلّدانہ بحث نہ ہوگی'' (دیکھیے اشاعۃ السنۃ جلد ۱۴/صفحہ ۳۸۸)

صاف ظاہر ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی غیر مقلّد (اہل حدیث) تھا، اسی لئے وہ مقلّدانہ بحث سے کتراتا تھا، اس کو معلوم تھا کہ جب مقلّدانہ بحث ہوگی تو اس کے سامنے مولانا بٹالوی جیسا شخص بھی ائمہ مجتہدین کے اقوال پیش کرسکتا ہے۔ مولانا بٹالوی کا نظریہ تھا کہ جہاں ترک تقلید سے کام نہ چلے وہاں امام ابوحنیفہؒ کے دلائل کو ترجیح دی جائے، جیسا کہ وہ اپنے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں لکھتے ہیں:

حضرت شیخنا وشیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب شمس العلماء دہلوی بھی ایسے ہی تھے۔ وہ اہلحدیث کے سردار بھی تھے اور حنفی بھی کہلاتے تھے۔ اور حنفی مذہب کی کتب متون وشروح اور فتاویٰ پر فتویٰ دیتے تھے.........اور خاکسار خود اس مشورہ پر عمل کرچکا ہے۔ مجھ سے کوئی میرا مذہب پوچھتا ہے تو میں یہی کہتا ہوں کہ میں اہلحدیث حنفی ہوں۔

اولاً حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ اور اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں۔ پھر جس مسئلہ میں حدیث صحیح صریح نہ ملے اور اجتہاد کی ضرورت پڑے تو وہاں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اصول و فروع مذہب پر عمل واستدلال کرتا ہوں۔

فیا لیت قومی یعلمون و بما قلت لھم یعملون

(اشاعۃ السنۃ نمبر ۳ جلد ۲۱ ص ۴۷)

مرزا قادیانی مولانا بٹالوی کے اس نظریہ کو جانتا تھا، اس کو معلوم تھا کہ مقلّدانہ بحث سے کامیابی نہ ہوگی، کیونکہ اس میں آئمہ مجتہدین کے اقوال زیر بحث آئینگے۔ جبکہ مرزا قادیانی کے تو تمام کے تمام دعوے ترکِ تقلید ہی کی مرہون منت تھے۔

ترکِ تقلید میں امامت کے لئے کوئی جگہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ ائمہ کرام کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اور نبی کے درمیان کسی بھی واسطے کے قائل نہیں ہیں، اسی لئے یہ لوگ امت کی اصلاح کے لئے امامت کا دعویٰ نہیں کرسکتے، چنانچہ مجبور ہوکر نبوت پر کمنڈ ڈالتے ہیں۔

مثلاً سر سید احمد خان نے نیچریت کے نام پر فرمانِ نبوی کے مقابلے میں اپنی ذہنی خرافات کو حرف آخر سمجھا، عبداللہ عرف غلام نبی چکڑالوی نے حدیث کا انکار کرکے قرآن کی تفسیر اپنی نفسانی خواہشات

مطابق کی ،اور مرزا قادیانی ان سے بھی دوقدم آگے نکلا ،اس نے ختم نبوت کے عقیدے سے ہی انکار کر کے اپنی نئی نبوت ایجاد کر لی۔

یہ تینوں غیر مقلّد تھے، یہ ائمہ کرام کے منکر تھے ،اسی لئے یہ نبوت کے مقام کو چیلنج کر گئے۔ چنانچہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ان لوگوں کے مسلک کی وضاحت مولانا بٹالوی نے اپنی ایک تحریر میں علی الاعلان کر دی تھی۔

مولانا بٹالوی لکھتے ہیں۔

ہندوستان میں مذہب نیچریت کے بانی (سرسید) کا زمانہ تصنیف رسالہ جواب ڈاکٹر ہنٹر تک یہی ادعا تھا کہ میں اہلحدیث ہوں۔

ان کے شاگرد (مگر نافرماں بردار وسرکش) قادیان کے پرافٹ نے گوڈائریکٹ (بلاواسطہ) اور بصراحت یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ میں اہلحدیث ہوں مگر ان کے ڈائریکٹ (بواسطہ مشاہیر جماعت خود اور پریکٹیکلی (عملی طور پر) یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ اہلحدیث تھا۔

عبداللہ (عرف غلام نبی) بھی ابتداء میں اسی اصول سے اہلحدیث ہی کہلاتا تھا (اس کی تفسیر ملاحظہ ہو) گو اب وہ اہلحدیث کہلانے کو کفر جانتا ہے۔

(اشاعۃ السنہ نمبر۵ ج۲۰ ص۱۵۶)

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی یہی کچھ کیا۔اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ مولانا بٹالوی ائمہ کرام میں فقہ حنفی کو ترجیح دیتے ہیں۔اور مرزا قادیانی کو یہ بھی معلوم تھا کہ احناف کے مسلک میں کسی بھی نئی نبوت کی گنجائش نہیں نکلتی، اسی لئے وہ حنفی تقلید کا قائل نہیں تھا۔

جیسا کہ وہ حکیم نورالدّین کی دوسری شادی کے لئے رشتہ کے بارے میں منشی احمد جان کی لڑکی سے بات چلانے کے دوران اس کو خط میں منشی احمد جان کے متعلق یوں لکھتا ہے:

''میری نسبت وہ خوب جانتے تھے کہ یہ حنفی تقلید پر قائم نہیں ہے''

(مکتوبات احمدیہ، جلد۵، صفحہ۵۴)

ترکِ تقلید پر مولانا بٹالوی کا اظہار

یہاں تک کہ ایک دور وہ بھی آیا کہ مولانا بٹالوی کو بھی علماءِ لدھیانہ کے اس نظریہ تقلید سے اتفاق کرنا

پڑا۔ مولانا بٹالوی ایک جگہ فرماتے ہیں:

یہ بلاء کادیانی کے اتباع کی اکثر اسی فرقہ میں پھیلی ہے جو عامی و جاہل ہو کر مطلق تقلید کے تارک و غیر مقلّد بن گئے یا ان لوگوں میں جو نیچری کہلائے، جو در حقیقت اس قسم کے غیر مقلّدوں کی برانچ (شاخ) ہیں۔

(اشاعۃ السنہ۔ ج ۱۵۔ ص ۱۷۱۔ ش ۱۱)

مقلّدین احناف کے متعلق مولانا بٹالوی کی زندگی کا نچوڑ

مولانا محمد حسین بٹالوی مقلّدین احناف کے متعلق اپنی تجرباتی زندگی کا نچوڑ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

حنفی المذہب مقلّد سے ہرگز ممکن و متصور نہیں کہ وہ عیسائی مرزائی ہو جائے، جب تک کہ وہ حنفی لمذہب کا مقلّد ہے (اشاعۃ السنہ، جلد ۱۵، صفحہ ۱۷۱)

مولانا بٹالوی کی طرف سے خاندانِ علماء لدھیانہ کے مرزا قادیانی پر فتوائے تکفیر سے اتفاق کر لے نے کے بعد دونوں فریقوں میں وہ جنگ تقریباً بند ہو گئی جو ترکِ تقلید اور مرزا قادیانی کی وجہ سے تھی، اس کے بعد ہم نے مولانا بٹالوی کی کسی تحریر میں خاندانِ علماء لدھیانہ کے خلاف کوئی جملہ نہیں دیکھا۔ بلکہ مولانا بٹالوی کا موقف اہل تقلید کے لئے یہاں تک نرم ہو گیا تھا وہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بھی اہل حدیث کہلائے وہ اپنے آپ کو اہل حدیث حنفی لکھے۔

آج کل کے بعض اہل حدیث کہلانے والوں میں، نیچریت، مرزائیت، چکڑالویت، معتزلیت و رافضیت پھیلتی جاتی ہے۔ اہل حدیث کے ساتھ لفظ ''حنفی'' ملانے سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس لقب کا مصداق، سنی اہل حدیث ہے۔ نہ معتزلی اور نہ مرزائی اور نہ نیچری اور نہ رافضی وغیرہ۔ (اشاعۃ السنہ نمبر ۱۰ جلد ۲۲ ص ۳۱۰۔ ۳۱۱)

اس کی مزید تفصیل جاننے کے لئے راقم کی کتاب ''تاریخ ختم نبوۃ'' پڑھیے

(جاری ہے)

فَلَمَّا اَسۡلَمَا و تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰاِبۡرَاهِيۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّؤۡيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِ الۡمُحۡسِنِيۡنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ وَفَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ......

''پھر جب (حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام) دونوں نے حکم (قربانی) کا مانا اور پچھاڑا اس (اسماعیل) کو ماتھے کے بل اور ہم نے اس کو پکارا۔ یوں اے ابراہیم تو نے سچ کر دکھایا خواب، ہم یوں بدلا دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو بے شک یہی صریح جانچنا ہے اور اس کا بدلہ دیا ایک جانور ذبح کرنے کے واسطے۔

قربانی کا یہی وہ عظیم الشان واقعہ ہے کہ خداوند زمین وآسمان نے اس کے بدلہ میں بہشت سے ایک بڑے درجہ کا بڑا قیمتی فربہ تیار مینڈھا قربانی کے لئے بھیجا۔ پھر یہی قربانی کی رسم سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ **لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَكًا** اور ہر اُمت کے واسطے ہم نے مقرر کر دی ہے قربانی!

پس جب کبھی سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی وعبادت و اطاعت کے اظہار کا دن آئے: **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ** ''سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔'' پس عید کے دن خدائے بزرگ وبرتر کے سامنے سجدۂ عبادت (نماز) ادا کر کے ہر ذی استطاعت مسلمان پر واجب ہے کہ وہ خدا کی راہ میں قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اپنی اطاعت کا اسی طرح اظہار کرے جس طرح سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔ صحابہ کرام کے سوال پر نبی ﷺ نے اسی اطاعت وقربانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **سُنَّةُ اَبِيۡكُمۡ اِبۡرَاهِيۡمَ عَلَيۡهِ السَّلَام** ''یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔'' اندازہ کرو کہ خدائے بزرگ و برتر کی بارگاہ میں اس کی کتنی قدرومنزلت ہے۔ **بِكُلِّ شَعۡرَةٍ حَسَنَةٌ** ہر بال پر ایک نیکی کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب

دیا اور حسنات کے لئے سوال کیا۔ فالصوف یا رسول اللہ؟ تو اون کا کیا اجر ہے یا رسول اللہ !ارشاد فرمایا: بِکل شعرۃٍ من الصوف حسنۃ (رواہ احمد) اون کے ہر بال پر ایک نیکی ہے۔ ایک بھیڑ ایک مینڈھے ایک دنبے کی اون کے بال شمار کرتے چلو اور خدائے بزرگ و برتر کی رحمتوں کا اندازہ کرو۔

اطاعت و عبادت کے ان احکام کے مقابلہ میں عقل و فلسفہ کی نکتہ آفرینیوں پر دھیان نہ دو۔ ثمرات و نتائج کے یہ ایچ پیچ سب غلط ہیں کہ مصلحت متقاضی ہے کہ غرباء کی امداد کے لئے نقد سرمایہ رفاہی کاموں میں لگا دیا جائے۔ یہ فریب ہے، سرمایہ پرست عقول واذہان کا کہ امداد باہمی کے نام پر اللہ کی مخلوق کو نہ صرف عبادت و اطاعت سے روکنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ان کے منہ میں گوشت کے ایک ٹکڑے کو جاتا ہوا دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے۔ منفعت کے فریب اور مصالح کے دھوکے ہمیشہ عبادت واطاعت کے راستہ میں روک بن کر آتے ہیں۔ عبدیت کا تقاضا ہے کہ احکامِ خداوندی کی تعمیل کر کے انعامات خداوندی کا مستحق ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قربانی کے دنوں میں خون بہانے یعنی قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں (ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے) اور بے شک وہ قربانی کا اپنے بالوں سینگوں اور سموں سمیت قیامت کے دن آئے گا۔ (یعنی اجر وثواب میں یہ چیزیں بھی شمار ہوں گی) اور قربانی کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول ہوتا ہے۔ تو خوب خوشی سے اور خوب دل کھول کر قربانی کرو۔'' (رواہ الترمذی وابن ماجہ، مشکوۃ)

انعام واکرام جب اس درجہ پر ہو کہ زمین پر خون کا قطرہ گرنے سے پہلے قبول کر لیا جاتا ہے تو کیوں نہ پھر قربانی کے لئے بہترین فربہ موٹے تیار جانور مہیا کئے جائیں یہی نہیں بلکہ قیامت کے دن یہ قربانی کے جانور گنہگاروں کے لئے سواریاں ہوں گی۔ سَمّنُوْ اضحَایَاکُمْ فَاِنَّھَا عَلٰی الصِّراطِ مطایاکم ''قربانی کے جانوروں کو موٹا کرو کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواریاں ہیں'' آخرت کا یقین رکھنے والوں، مغفرت کے لئے بے قرار اور نجات کے طلب گاروں کے لئے جنت میں جانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اسباب و وسائل پیدا ہی نہیں کئے بلکہ اس کی نشاندہی اور راہنمائی فرمائی۔

عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے کہ ہر وہ ذی استطاعت مسلمان جو ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا فرد ہے۔ اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ

اُمِرتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِینَ ”بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لئے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔“ کا اقرار کرتے ہوئے عیدالاضحیٰ کے دن فاطر السموٰت والارض کی رضاجوئی کیلئے قربانی دے۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی فضیلت

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا

:”کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں عمل صالح اللہ تعالیٰ کے یہاں ان (ذی الحجہ کے) دنوں کے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو۔“

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جہاد بھی ان (ایام کے عمل) کے برابر نہیں؟ آپؐ نے فرمایا:” (ہاں) جہاد بھی ان (دنوں میں کیے ہوئے عمل) کے برابر نہیں۔

مگر وہ شخص جو جان و مال لے کر جہاد کے لیے نکلے پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس نہ لائے۔“ (نہ جان، نہ مال دونوں قربان کردے، یعنی شہید ہو جائے)۔(بخاری شریف)

تشریح:۔اس حدیث پاک میں ماہِ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کی بڑی فضیلت اور اہمیت بتلائی گئی ہے کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک ان دس دنوں میں کیا ہوا نیک عمل اتنا محبوب اور پسندیدہ ہے کہ سال کے باقی دنوں کا کوئی عمل اتنا محبوب نہیں۔

سال کے تمام دنوں میں ان دس دنوں کے نیک اعمال سب سے زیادہ مقبول اور محبوب ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا جو اسلام میں چوٹی اور سر کا مقام رکھتا ہے وہ بھی ان ایام کے اعمال کے برابر نہیں۔

البتہ جس شخص نے جان اور مال دونوں راہِ خدا میں قربان کردیئے تو اس کی یہ ایثار و قربانی اور شہادت، اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ایام کے عمل نیک کے برابر پسندیدہ ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان مبارک دنوں میں خداوند قدوس جل شانہٗ کی اطاعت و بندگی بہت لگ سے کرنی چاہیے اور غیر ضروری دنیاوی علائق سے ہٹ کر ہمہ تن باری تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہونا چاہیے ذکر و فکر، تسبیح و تلاوت اور دیگر معمولات یومیہ میں کچھ نہ کچھ ضرور اضافہ کرنا چاہیے۔

تکبیرات تشریق

’’اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد‘‘ کو کہتے ہیں۔(درمختار)

تکبیر تشریق کب سے کب تک پڑھیں

عرفہ کا دن یعنی ذی الحجہ کی نویں ۹ تاریخ کی فجر سے ذی الحجہ کی تیرہ تاریخ کی عصر تک ہر فرض نماز کے فوراً بعد بلند آواز سے ایک مرتبہ تکبیر تشریق پڑھنا واجب ہے۔البتہ عورتیں یہ تکبیر آہستہ آواز سے کہیں تاہم حساب یہ کل بتیس نمازیں ہوتی ہیں جن کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہے اوران پانچ دنوں کو جن میں یہ تکبیریں کہی جاتیں ہیں ’’ایام تشریق‘‘ کہتے ہیں (درمختار)

یہ تکبیریں ہر شخص پر واجب نہیں ہیں ان کے واجب ہونے کی کچھ شرطیں ہیں جن کا ابھی ذکر آتا ہے۔

تکبیر تشریق واجب ہونے شرطیں

تکبیر تشریق واجب ہونے کے لیے درج ذیل تین شرطیں ہیں اگر یہ تینوں شرطیں کسی شخص میں موجود ہوں تو ایام تشریق میں اس پر تکبیر واجب ہے، اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو تکبیر تشریق واجب نہیں۔(ہدایہ۔خلاصۃ الفتاویٰ)

☆......مقیم ہونا، مسافر پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

☆......شہر ہونا، گاؤں گوٹھ والوں پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

☆......جماعت مستحبہ ہونا، اکیلے نماز پڑھنے والوں پر اور تنہا عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنے سے اُن پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

شرائط کی ضروری تشریح:

پہلی شرط کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ کسی جگہ مقیم ہوں جیسے اپنے وطن اصلی میں ہوں یا مسافر نے کسی جگہ جہاں اقامت کی نیت معتبر ہوتی ہو کم ازکم پندرہ دن قیام کی نیت کرلی ہو اور باقی دو شرطیں بھی موجود ہوں تو اس پر ایام تشریق میں تکبیر تشریق واجب ہے۔

مسافر شخص پر تکبیر تشریق واجب نہیں ہے خواہ وہ الگ نماز پڑھے یا اپنے ہی جیسے کسی مسافر امام کی اقتدأمیں نماز باجماعت ادا کرے اور اگر چہ یہ مسافر یا مسافروں کی جماعت کسی شہر میں ہو اور اپنی جماعت کریں، ان پر بہر حال تکبیر تشریق واجب نہیں، البتہ اگر یہ مسافر یا مسافرین کسی مقیم امام کی اقتدأ

میں شہر یا قصبہ میں نماز باجماعت ادا کریں تو پھر ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

دوسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ جمعہ وعیدین کے لیے شہر یا قصبہ ہونا شرط ہے، کسی چھوٹے گاؤں گوٹھ میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، اس لیے ان کے باشندوں پر تکبیر تشریق بھی ایامِ تشریق میں واجب نہیں، اگرچہ گاؤں والے اپنی فرض نماز باجماعت ادا کریں، البتہ اگر یہ لوگ کسی شہر یا قصبہ میں آ کر مقیم امام کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کریں تو امام کے تابع ہو کر ان پر بھی تکبیر تشریق واجب ہو جائے گی۔

تیسری شرط کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا دو شرطوں کے ساتھ تکبیر تشریق واجب ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایامِ تشریق میں جن جن فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنا واجب ہوتا ہے ان فرض نمازوں کو باجماعت ادا کیا گیا ہو اور وہ جماعت بھی مستحب جماعت ہو، مکروہ جماعت نہ ہو، مثلاً کسی مرد امام کی اقتداء میں وہ فرض باجماعت ادا کیا گیا ہو تو اس جماعت کے شریک تمام مقتدیوں پر امام سمیت تکبیر تشریق واجب ہو گی......

لیکن اگر باوجود پہلی دو شرطوں کے پائے جانے کے کسی شخص نے ایامِ تشریق کی فرض نمازیں کل یا بعض بغیر جماعت کے تنہا ادا کریں تو اس پر تنہا ادا کی جانے والی نمازوں کے بعد تکبیر تشریق واجب نہیں۔ اسی طرح اگر تنہا عورتوں نے مل کر کسی عورت ہی کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں کوئی فرض نماز باجماعت ادا کی تو ان پر بھی تکبیر تشریق واجب نہیں ہو گی،

کیونکہ عورتوں کی جماعت، جماعتِ مستحبہ نہیں ہے بلکہ مکروہ تحریمی ہے، اسی طرح اگر عورتیں الگ الگ نمازیں ادا کریں تب بھی ان پر تکبیر تشریق واجب نہیں۔

البتہ اگر شہر یا قصبہ میں عورتیں کسی مقیم مرد امام کی اقتداء میں فرض نمازیں باجماعت ادا کریں اور امام نے ان کی اقتداء کی نیت بھی کر لی ہو تو جو نمازیں وہ امام کی اقتداء میں ادا کریں گی ان نمازوں کے بعد ان پر بھی امام کے تابع ہو کر تکبیر تشریق واجب ہو جائیگی۔ لیکن عورتوں کو مساجد میں جا کر مردوں کی جماعت میں شریک ہو کر نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے، مکروہ تحریمی ہے۔ (بحر و شامی)

قربانی کس پر واجب ہے

جس شخص پر زکوٰۃ فرض ہو یا جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اتنی قیمت کا مالِ تجارت ہو یا فاضل سامان پڑا ہو اس پر قربانی اور صدقۂ فطر واجب ہو جاتے ہیں، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اس پر قربانی بھی واجب نہیں، یہ بات صحیح نہیں ہے، یوں کہنا تو درست ہے کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ جس پر زکوٰۃ فرض نہیں اس پر قربانی واجب نہیں، کیونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر زکوٰۃ فرض نہیں اس لیے کہ انکے پاس سونا چاندی یا مالِ تجارت یا نقدی نصاب کے بقدر نہیں ہوتی، لیکن بہت سا فاضل سامان پڑا ہوتا ہے (جیسے استعمال کیا ہوا ضرورت سے زائد فرنیچر وغیرہ) اگر یہ فاضل سامان ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو قربانی واجب ہو جاتی ہے لیکن زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، ایک فرق اور بھی ہے وہ یہ کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا اس وقت فرض ہوتا ہے

جب نصاب پر چاند کے اعتبار سے بارہ مہینے گزر جائیں اور قربانی واجب ہونے کے لیے قربانی کی تاریخ آنے سے پہلے چوبیس گھنٹے گزرنا بھی ضروری نہیں ہے مثلاً اگر کسی پاس بقرعید کی نویں تاریخ کو عصر کے وقت ایسا مال آیا جس کے ہونے سے قربانی واجب ہوتی ہے اور دس تاریخ میں بھی اس کے پاس موجود رہا تو اس پر کل کو قربانی واجب ہو جائے گی اور گھر کے ہر شخص کی ملکیت علیحدہ دیکھی جائے گی اگر کسی گھر میں باپ، بیٹے اور بیٹوں کی ماں ہر ایک کی ملکیت میں اتنا مال ہو جس پر قربانی واجب ہوتی ہے تو ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ قربانی واجب ہوگی، البتہ نابالغ کی طرف سے کسی حال میں قربانی کرنا لازم نہیں۔ عورتوں کے پاس عموماً اتنا زیور ہوتا ہے جس پر قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایسی خواتین کو اپنی قربانی کر لینی چاہیے۔

قربانی کے جانور

قربانی کے جانور شرعاً مقرر ہیں، گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ، بھیڑا، دنبہ، دنبی کی قربانی ہوسکتی ہے۔ ان کے علاوہ اور کسی جانور کی قربانی درست نہیں اگر چہ کتنا زیادہ قیمتی ہو اور کھانے میں جس قدر بھی مرغوب ہو، لہٰذا ہرن کی قربانی نہیں ہوسکتی، اسی طرح دوسرے حلال جنگلی جانور قربانی میں ذبح نہیں کیے جاسکتے۔ (عالمگیری)

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی میں سات حصے ہوسکتے ہیں یعنی ان میں سے ایک جانور سے سات قربانیاں ہوسکتی ہیں خواہ ایک ہی آدمی ایک گائے لے کر اپنے گھر کے آدمیوں کے وکیل بنانے سے ان کا وکیل بنکر ساتھ حصے تجویز کر کے ذبح کردے یا مختلف گھروں کے ایک ایک یا دو دو حصے لے کر سات حصے پورے کرلیں، مگر شرط یہ ہے کہ جتنے شریک ہوں ہر ایک کی نیت قربانی کی ہو یا کسی نے عقیقہ کے لیے ایک دو حصے لے لیے ہوں۔

چونکہ عقیقہ میں بھی اللہ ہی کے لیے خون بہایا جاتا ہے اس لیے عقیقہ کا حصہ قربانی کے جانور میں لیا جاسکتا ہے۔ جتنے لوگوں نے قربانی کے جانور میں شرکت کی، اگر ان میں سے کسی ایک آدمی کی نیت بھی اس گوشت کی تجارت کرنے یا محض گوشت کھانے کی ہو تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی اور اگر بھینس، گائے، اونٹ میں سات حصوں سے کم حصے کر لیے

مثلاً چھ حصے کر کے چھ آدمیوں نے ایک ایک حصہ لے لیا یا پانچ آدمیوں نے پانچ حصے کر کے ایک ایک حصہ لے لیا تب بھی قربانی درست ہو جائے گی بشرطیکہ کسی کا حصہ ساتویں حصے سے کم نہ ہوں اور اگر آٹھ حصے بنا لیے اور آٹھ قربانی والے شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی درست نہ ہوگی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: چھوٹے جانور، یعنی بکرا بکری وغیرہ میں شرکت نہیں ہوسکتی، ایک شخص کی جانب سے ایک ہی جانور ہوسکتا ہے۔ (عالمگیری)

قربانی کے جانور کی عمریں

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا کی عمر کم از کم دو سال اور اونٹ، اونٹنی کی عمر کم از کم پانچ سال اور باقی جانوروں کی عمر کم از کم ایک سال ہونا ضروری ہے۔ ہاں اگر بھیڑ یا دنبہ سال بھر سے کم کا ہو لیکن موٹا تازہ اتنا ہو کہ سال بھر والے جانوروں میں چھوڑ دیا جائے تو فرق محسوس نہ ہو تو اس کی قربانی بھی ہوسکتی ہے

بشرطیکہ چھ مہینے سے کم کا نہ ہو۔

کیسے جانور کی قربانی درست ہے

چونکہ قربانی کا جانور بارگاہِ خداوندی میں پیش کیا جاتا ہے اس لیے بہت عمدہ، موٹا تازہ، صحیح سالم، عیبوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ قربانی کے جانور کے آنکھ کان خوب اچھی طرح دیکھ لیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان کا پچھلا حصہ یا اگلا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ ایسے جانور کی قربانی کریں جس کا کان چیرا ہوا ہو، یا جس کے کان میں سوراخ ہو۔ (رواہ الترمذی)

اور حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ سے پوچھا گیا کہ قربانی میں کیسے جانوروں سے پرہیز کیا جائے، آپ ﷺ نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (خصوصیت کے ساتھ) چار طرح کے جانوروں سے پرہیز کرو۔

(۱) یعنی وہ لنگڑا جانور جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو۔

(۲) یعنی وہ کانا جانور جس کا کانا پن ظاہر ہو۔

(۳) یعنی ایسا بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو۔

(۴) یعنی ایسا دُبلا، مریل جانور جس کی ہڈیوں میں مینگ یعنی گودا نہ رہا ہو۔ (رواہ مالک والترمذی وابوداؤد وغیرہ)

حضرات فقہاء کرام نے ان احادیث کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جو جانور بالکل اندھا ہو یا بالکل کانا ہو یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو یا ایک کان کا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹ گیا ہو یا دم کٹ گئی ہوا۔

یا اس کا ایک تہائی سے زیادہ حصہ کٹ گیا ہو یا اتنا دُبلا جانور ہو کہ اس کی ہڈیوں میں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی جائز نہیں اگر جانور دُبلا ہو مگر اتنا زیادہ دُبلا نہ ہو تو اس کی قربانی ہو جائے گی۔ (عالمگیری) لیکن وہ ثواب کہاں ملے گا، جو موٹے تازے جانور کی قربانی میں ملتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے گری پڑی حیثیت کا جانور اختیار کرنا ناسمجھی بھی ہے اور ناشکری بھی۔

مسئلہ: جو جانور تین پاؤں پر چلتا ہے اور چوتھا پاؤں ہی یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہے مگر اس سے

چل نہیں سکتا یعنی چلتے میں اس سے کچھ سہارا نہیں لیتا تو اس کی قربانی درست نہیں اگر چاروں پاؤں سے چلتا ہے لیکن پاؤں میں کچھ لنگ تو اس کی قربانی درست ہے۔(شامی)

مسئلہ: جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جو باقی ہیں وہ تعداد میں گر جانے والے دانتوں سے زیادہ ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔(در مختار)

مسئلہ: اگر کسی جانور کے پیدا ہی سے کان نہیں تو اس کی قربانی درست نہیں اور اگر دونوں کان ہیں اور صحیح سالم ہیں لیکن ذرا چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی ہو سکتی ہے۔

(عالمگیری)

مسئلہ: جس جانور کے پیدائش ہی سے سینگ نہیں لیکن عمر اتنی ہو چکی ہے جتنی عمر قربانی کے جانور کی ہونی لازم ہے تو اس کی قربانی درست ہے اور اگر سینگ نکل آئے تھے اور ان میں سے ایک یا دونوں کچھ ٹوٹ گئے تو ان کی بھی قربانی ہو سکتی ہے ہاں اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے اور ان اندر کی مینگ بھی ختم ہو گئی تو اس کی قربانی درست نہیں۔(شامی)

مسئلہ: خصی جانور کی قربانی نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ اس کا گوشت اچھا ہوتا ہے۔

حضور ﷺ نے خود ایسے جانوروں کی قربانی کی ہے۔

مسئلہ: اگر مادہ جانور کی قربانی کی اور اس کے پیٹ میں بچہ نکل آیا تب بھی قربانی ہو گئی اگر وہ بچہ زندہ ہے تو اس کو بھی ذبح کر دیں۔

مسئلہ: اگر قربانی کا جانور خرید لیا پھر اس میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے قربانی درست نہیں تو اس کے بدلے دوسرا جانور خرید کر قربانی کرے، ہاں اگر غیرب آدمی ہو جس پر قربانی واجب نہیں تھی تو اسی کی قربانی کر دی۔(عالمگیری)

مسئلہ: کسی پر قربانی واجب نہیں تھی لیکن اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا تو اب اس جانور کی قربانی واجب ہو گی۔(عالمگیری)

مسئلہ: کسی پر قربانی واجب تھی لیکن قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور اس نے قربانی نہیں کی، تو ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کر دیں اور اگر بکری خرید لی تھی تو بعینہ وہی بکری خیرات کر دیں۔

قربانی کا وقت

بقر عید کی دسویں تاریخ سے لے کر بارہوں تاریخ کی شام تک قربانی کرنے کا وقت ہے چاہے جس دن قربانی کریں، لیکن قربانی کا سب سے افضل دن بقر عید کا دن ہے پھر گیارہوں تاریخ پھر بارہوں تاریخ ۔(عالمگیری)

مسئلہ: بقر عید کی نماز ہونے سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں جب نمازِ عید پڑھ چکیں تب قربانی کریں، البتہ اگر کوئی دیہات میں یا گاؤں میں رہتا ہو، جہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ، وہاں فجر کی نماز کے بعد قربانی کر دینا درست ہے۔(عالمگیری)

مسئلہ: دسویں تاریخ سے بارہویں تاریخ تک جب جی چاہے قربانی کریں، چاہے دن میں چاہے رات میں لیکن رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں کہ شاید کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی نہ ہو، اگر خوب زیادہ روشنی ہو، جیسا کہ شہروں میں بجلی کی ہوتی ہے تو رات کو قربانی کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(عالمگیری بتصرف)

مسئلہ: قربانی کی کھال یا تو یونہی خیرات کر دیں اور یا بیچ کو اس کی قیمت خیرات کر دیں۔وہ قیمت ایسے لوگوں کو دیں جن کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا درست ہے اور قیمت میں جو پیسے ملے ہیں بعینہ وہی پیسے خیرات کرنا چاہئیں، اگر وہ پیسے کسی کام میں خرچ کر ڈالے اور اتنے ہی پیسے اور اپنے پاس سے دیئے تو اچھا نہیں کیا مگر ادائیگی ہو گئی۔

مسئلہ: اس کھال کی قیمت مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں یا مدرس، مؤذن و امام کی تنخوہ میں دینا درست نہیں اگر ایسی غلطی کر لی ہے تو اس قدر رقم مسکینون کو دے دیں اور توبہ بھی کریں،

آج کل سستا چندہ دیکھ کر بہت سی انجمنیں اور ویلفیئر ایسوسی ایشن اور ہمدرد کلب اور امدادی کمیٹیاں بقر عید کے موقعہ پر نکل آتی ہیں اور کھالوں کا چندہ کر لیتی ہیں ان میں وہ بے دین بھی ہوتے ہیں جو اسلام اور قربانی کا مذاق اڑاتے ہیں مگر کھال کھینچنے کو تیار رہتے ہیں اور وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جو شریعت کے قوانین سے اقف نہیں ہوتے،

یہ لوگ شریعت کے احکام کی رعایت کے بغیر آزادانہ رائے سے خرچ کرتے ہیں ان کو کھالیں دیکر ضائع نہ کریں ان کو دے کر آپ شرعی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوں گے۔

دین کی حفاظت کی ذمہ داری خود خدائے بزرگ و برتر اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْن کے فرمان عالیشان کے ساتھ اپنی ذات پر لئے ہوئے ہیں۔

دشمنانِ اسلام اور دوست نما دشمن کتنی ہی کوشش کریں قیامت کی صبح تک یہ دین قائم رہے گا۔مگر عالمِ اسباب میں یہ سعادت ان بلاکیشوں کی قسمت میں لکھ دی گئی جو تمام دنیاوی منافع کو چھوڑ کر اسلام کی اشاعت اور کتاب وسنت کی تعلیم وتدریس میں

اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ......:

''جو رُکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے۔ملک میں (یعنی دین کی ضروریات کی وجہ سے وہ دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے)''

کا مصداق ہیں۔غیروں کے نہیں اپنوں کے بھی طعن برداشت کرتے ہوئے سید المرسلین خاتم النبیین روح فداہ ﷺ کے علوم کے حامل ہیں۔عقیدت مندان ختم نبوت کو کبھی یہ نہ بھولنا چاہئے کہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد جبکہ لانبی بعدی کا ابدی فرمان امتی کے سامنے ہے۔

علوم نبوت کی اشاعت وتعلیم کیلئے طائفہ لِیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ اگر کوئی ہے تو وہ انہیں مدارس عربیہ اور مکاتب قرآن مجید میں پراگندہ اور پریشان صورت میں ملے گا۔

اور آپ اَلَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا کو دیکھیں گے کہ وَاِذَا مَرّ وَاِھِمْ یَتَغَامَزُوْنَ 'اور جب ہو کر نکلتے ہیں ان کے پاس کو تو آپس میں آنکھ مارتے ہیں'' میں مست نظر آئیں گے۔حقائق کے بالکل برعکس داستان سرائی اور افسانہ تراشی میں منہمک ہوں گے۔

بلاریب مدارس دینیہ عربیہ کی امداد واعانت دامے درمے قدمے سخنے اس زمانے میں بڑی جرأت ہے اور یقیناً مغفرت ونجات کا ذریعہ ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہؓ کو عمل صالح کی تاکید کرنا

اس قدر محبت اور تعلق اور اس بشارت عظمیٰ کے باوجود کہ حضرت سیدہ اہل جنت میں سے ہیں بلکہ خاتون جنت ہیں آپ ہمیشہ حضرت فاطمہ کو دین پر استقامت اور عمل صالح کی تاکید فرماتے تھے۔

حضور پر جب آیت:

وانذر عشیرتك الا قربین (آپ کے اپنے رشتہ داروں کو ڈرائیے) نازل ہوئی تو حضورﷺ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دو میں اللہ کی طرف سے آئی چیز کو نہیں ٹال سکتا۔اے عباس بن المطلب! اور اے میری پھوپھی صفیہ! (یاد رکھنا) میں اللہ کی طرف سے آئی پکڑ کو تم سے نہیں ٹال سکتا اور اے میری بیٹی فاطمہ! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو مگر میں اللہ کی طرف سے آئے کسی عذاب کو تم سے نہیں ٹال سکتا''۔صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۴)

حضرت عباس، حضرت صفیہ اور حضرت فاطمہ (رضی اللہ عنہم) کے جنتی ہونے میں کسے شک ہوسکتا ہے تاہم آپ نے انہیں ہدایت کی کہ محض میری قربت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ رہنا یہ نہ سمجھنا کہ ہم چونکہ حضور ﷺ کے قریبی عزیز ہیں اس لیے ہم سے کچھ پوچھ گچھ نہ ہوگی اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کسی کا فیصلہ کر دیا تو مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اسے روک دوں۔

حضرت امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:

معناہ لاتتکلوا علی قرابتی فانی لا اقدر علی دفع مکروہ یریداللہ تعالی بکم (نووی شرح مسلم ج ا ص ۱۱۴)

بچوں کے صفحات

حسن سلوک

آنحضورﷺ کی سربراہی میں جب مسلمانوں نے مکہ فتح کرلیا تو اس وقت آنحضورﷺ نے دیکھا کہ مکہ کی ایک ضعیف عورت سر پر ایک بھاری گٹھری لیے بھاگی جارہی ہے۔آپﷺ اُس بوڑھی عورت پر ترس آیا کہ بڑھاپے کے باوجود اس نے سر پر گٹھری کا بوجھ لادھا ہوا ہے۔آپﷺ اُس بڑھیا کے قریب آئے اور اس سے وجہ پوچھی کہ وہ اتنا بوجھ سر پر اُٹھا کر کہاں جارہی ہے؟ اُس بڑھیا نے کہا:'' اے بیٹے !میں محمد (ﷺ) نامی ایک شخص کے خوف سے مکہ چھوڑ کر جارہی ہوں کہ کہیں وہ مجھ سے میرا مذہب نہ چھڑادے۔آپﷺ یہ سن کر مسکرائے اور اس بڑھیاں سے کہا'' مائی اتنی بھاری گٹھری تو کیسے اُٹھائے گی۔لا یہ مجھے دے دے''۔

یہ کہہ کر آپؐ نے وہ گٹھری اپنے سر پر اٹھالی اور بڑھیا کے ساتھ چل پڑے۔تمام راستے وہ بڑھیا محمدﷺ کو بُرا بھلا کہتی رہی اور آپﷺ نہایت صبروتحمل سے سنتے رہے۔آخر کار بڑھیا اپنی منزل پر پہنچ گئی۔آپﷺ نے بڑھیا کی گٹھری اس کے حوالے کرکے واپسی کی اجازت چاہی۔بڑھیا نے آنحضورﷺ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا'' بیٹے مکہ میں محمد (ﷺ) آگیا ہے ۔ وہ بہت بڑا جادوگر ہے،اُسے بچ کر رہنا''۔

آپﷺ نے بڑھیا کی بات سن کر نہایت ملائمت سے کہا'' مائی میں وہی محمد (ﷺ) ہوں جس کے خوف سے آپ مکہ چھوڑ کر آئی ہیں''۔بڑھیا نے جب یہ سنا تو وہ بہت شرمندہ ہوئی اور اس نے کہا ''بے شک آپﷺ اللہ کے نبی ہیں جو دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک روا رکھتے ہیں۔

پیارے بچو! پھر وہ بڑھیا آنحضورﷺ کے حسنِ سلوک اس قدر متاثر ہوئی کہ اُس نے اپنا مذہب چھوڑ کر فوراً دین اسلام قبول کرلیا۔

☆......☆......☆

دیانت

خلفائے راشدین میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی انصاف پسندی اور دیانتداری کے حوالے سے مشہور ہیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ بحرین سے مشکِ کستوری آیا۔ کستوری ایک بے حد قیمتی خوشبو ہے جو ہرن کی ناف سے نکلتی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اُس وقت اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؓ نے فرمایا ''اگر کوئی کستوری کو تول دیتا تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا''۔ آپؓ کی بیوی حضرت عاقلہؓ نے آپؓ کی بات سن کر نہایت فرمانبرداری سے عرض کی ''امیر المومنین! اگر آپ حکم دیں تو کستوری کو میں تو دوں''۔ حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر گزر جانے کے بعد آپؓ نے پھر کہا ''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں'' جواب میں حضرت عاقلہؓ نے پھر عرض کی ''اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری کو میں تول دیتی ہوں''۔ حضرت عمرؓ اس بار بھی خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد حضرت عمرؓ نے تیسری دفعہ پھر یہی بات دہرائی ''اگر کوئی کستوری کو تول دے تو میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں'' جواب میں حضرت عاقلہ نے پھر عرض کی ''اے مسلمانوں کے خلیفہ! اگر آپؓ اجازت دیں تو کستوری میں تول دیتی ہوں''۔ اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ''عاقلہ! مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ تم جب کستوری کو تولنے کیلئے ترازو کے پلڑوں میں رکھو تو یہ تمہارے ہاتھوں سے لگتی رہے اور جب ہمارے حصے کی کستوری ہمیں ملے تو اس میں تمہارے ہاتھوں سے لگی ہوئی کستوری بلا تقسیم ہمارے حصے میں آ جائے۔ میرے نزدیک یہ بھی ایک طرح کی بددیانتی ہوگی۔

دیکھا بچو! حضرت عمر فاروق کی دیانت داری کو۔ اگر ہمارے حکمران اور عوام آج بھی حضرت عمرؓ کی سوچ کو اپنا لیں تو پھر کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہ ہو

ماہنامہ

فیصل آباد
پاکستان

بیاد

حضرت مولانا انیس الرحمٰن لدھیانویؒ
خلیفہ مجاز حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ

بفیض

حضرت سیّد نفیس الحسینیؒ
شاہ صاحب V Z g

- عصر حاضر کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔

اس میں وہ سب کچھ جس سے ہر ایک مسلمان کا باخبر رہنا ضروری ہے۔

- تاریخی حقائق سے مزین علمی مقالہ جات
- بے لاگ تبصروں اور تحقیقاتی تجزیوں سے بھرپور
- نقطہ نظر کا کاÝ ہر لکھنے والے کے لئے
- طلباء، خواتین اور بچوں کے خصوصی صفحات
- حصہ شعروسخن۔ جس میں حمد و نعت، نظم اور غزل۔
- آپ کے مسائل اور انکا حل

پاکستان میں سالانہ 300 روپے

بیرون ملک سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک 45 امریکی ڈالر

- دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ کیلئے خصوصی رعایت

ماہنامہ ملیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ محلہ خالصہ کالج فیصل آباد
فون 041-8711569

E-mail:milliafsd@yahoo.com